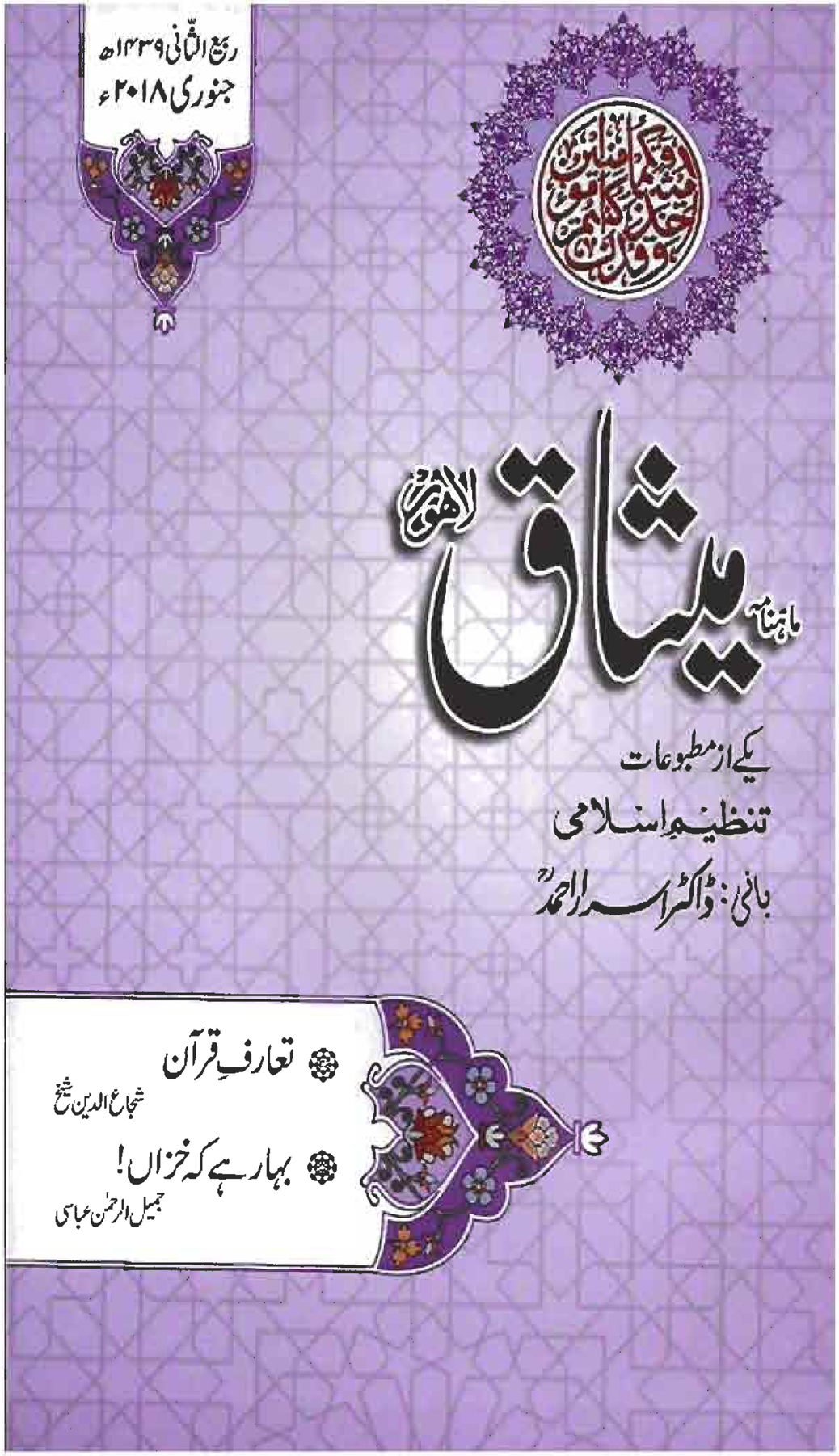

ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ
جنوری ۲۰۱۸ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات

تنظیمِ اسلامی

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

- تعارفِ قرآن
  شجاع الدین شیخ
- بہار ہے کہ خزاں!
  جمیل الرحمٰن عباسی

داعی رجوع الی القرآن، بانی تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

خاص ایڈیشن

- دیدہ زیب ٹائٹل
- امپورٹڈ آفسٹ پیپر
- عمدہ طباعت
- مضبوط جلد

سات جلدوں پر مشتمل

مکمل سیٹ کی قیمت: 3600 روپے

عوامی ایڈیشن

- کتابی سائز
- پیپر بیک بائنڈنگ
- امپورٹڈ بک پیپر
- عمدہ طباعت
- دیدہ زیب ٹائٹل

چھ جلدوں پر مشتمل

مکمل سیٹ کی قیمت: 1800 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور

K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد : 67

شمارہ : 1

ربیع الثانی 1439ھ

جنوری 2018ء

فی شمارہ 30/-

مُدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِتعاون

اندرون ملک	300 روپے
بھارت وبنگلہ دیش	900 روپے
ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ	1200 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ	1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700 ' فون: 3-35869501

فیکس: 35834000 ' ای میل: maktaba@tanzeem.org

ای میل برائے ادارتی امور: publications@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ علامہ اقبال روڈ ' گڑھی شاہو لاہور

فون: 36366638 - 36316638

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال ——— 5

موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں! — ادارہ

بیانُ القُرآن ——— 9

سورۃ الاحزاب (آیات ۱ تا ۲۰) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

مطالعہ قرآن حکیم(۱) ——— 29

تعارفِ قرآن — شجاع الدین شیخ

فَفِرُّوا اِلَی اللّٰہِ ——— 37

بہار ہے کہ خزاں! — جمیل الرحمٰن عباسی

مابعد الطبیعیات ——— 45

ملائکہ، انسان اور جدیدیت — محمد عمران خان

ظروف و احوال ——— 53

تیسری عالمی جنگ کی تیاری — محمد ندیم پشاوری

دعوت و تحریک ——— 62

حزب التحریر: اجتہادِ تبنّٰی اور دیگر افکار و نظریات — ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

نقد و نظر ——— 75

مغرب اور سیکولرازم کی دہشت گردی کی تاریخ — مولانا ابن الحسن فاروقی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں!

امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے یروشلم کو اسرائیلی دارالحکومت تسلیم کرنے اور امریکی سفارتخانہ تلِ ابیب سے یروشلم منتقل کرنے کے اعلان کے بعد عالم اسلام میں شدید اضطراب اور غم وغصہ کا اظہار نظر آرہا ہے۔ پوری دنیا میں مسلمان مظاہرے کر رہے ہیں' اسرائیلی اور امریکی پرچم نذرِ آتش کیے جارہے ہیں' ڈونلڈ ٹرمپ اور اسرائیلی وزیراعظم نیتن یاہو کے پتلے جلائے جارہے ہیں۔ مسلم ممالک کے سربراہوں' اعلیٰ سیاسی عہدیداروں اور مذہبی راہنماؤں کی طرف سے شدید مذمت کے بیانات سامنے آرہے ہیں۔ تاہم ان سب میں سے زیادہ موزوں اور وزنی موقف ترکی کے صدر طیب اردوان کا تھا۔ انہوں نے کہا کہ بیت المقدس کی حیثیت مسلمانوں کے لیے خطرے کی حد کی طرح ہے' اگر اسرائیل نے اس حد کو عبور کرنے کی کوشش کی تو ترکی اسرائیل سے قطع تعلق بھی کرسکتا ہے۔ مسلم ممالک کی تنظیم عرب لیگ اور OIC کے منعقدہ ہنگامی اجلاسوں میں بھی امریکی صدر کے اس فیصلے پر شدید غم و غصے کا اظہار دیکھا گیا۔ 9 دسمبر کو قاہرہ میں منعقد ہونے والے عرب لیگ کے اجلاس میں ٹرمپ کے اس فیصلے کو عالمی برادری کی خواہشات اور بین الاقوامی قوانین کے خلاف قرار دیتے ہوئے دنیا سے آزاد فلسطینی ریاست تسلیم کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ اس کے بعد ۱۳ دسمبر کو استنبول میں ترکی کے صدر طیب اردوان کے زیرصدارت ہونے والے OIC کے ہنگامی اجلاس میں القدس کو فلسطینی ریاست کا دارالخلافہ تسلیم کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ OIC کے اس اجلاس میں طیب اردوان نے اسرائیل کو قابض اور دہشت گرد ملک قرار دیا۔

اس کے علاوہ ڈونلڈ ٹرمپ کے اس فیصلے کے خلاف کئی غیر مسلم ممالک سے بھی سخت ردِعمل سامنے آیا۔ فرانسیسی صدر میکرون نے فون کر کے ٹرمپ کو اس کے فیصلے پر متنبہ کیا اور بعدازاں پیرس میں اسرائیلی وزیراعظم کے ساتھ مشترکہ پریس کانفرنس میں بھی امریکی صدر کے فیصلے کو مسترد کرتے ہوئے فرانسیسی صدر نے مسئلہ فلسطین کے دو ریاستی حل کی حمایت کی۔ یاد رہے ڈونلڈ ٹرمپ کے اس متنازع اعلان کے فوراً بعد اسرائیلی وزیراعظم یورپی راہنماؤں کو رام کرنے یورپ پہنچے جہاں یورپی یونین کا سال کا آخری سربراہی اجلاس ہونا تھا۔ لیکن فرانس کے ساتھ ساتھ دیگر یورپی ممالک بھی حالیہ امریکی فیصلہ کی سخت مخالفت کر رہے ہیں۔ یورپی یونین کے وزرائے خارجہ نے اپنے مشترکہ

اعلامیہ میں کہا کہ وہ ۱۹۶۷ء میں قبضے میں لیے گئے فلسطینی علاقوں کو اسرائیل کا حصہ نہیں سمجھتے۔ ان علاقوں میں مغربی کنارہ' مشرقی یروشلم اور گولان کی پہاڑیاں شامل ہیں۔ حتیٰ کہ یورپ میں اسرائیل کے قریب ترین ملک چیک جمہوریہ نے بھی خبردار کرتے ہوئے کہا ہے کہ ٹرمپ کا فیصلہ مشرق وسطیٰ میں امن کوششوں کے حوالے سے ایک برا فیصلہ ہے۔ چیک جمہوریہ کے وزیر خارجہ نے اسرائیلی وزیراعظم سے براہ راست ملاقات میں واضح کیا کہ ہم اسرائیلی ریاست کی بات کر رہے ہیں لیکن ہمیں اس کے ساتھ ساتھ فلسطینی ریاست کی بھی بات کرنا چاہیے۔ اس طرح اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں بھی جو قرارداد لائی گئی اس میں بھی یہی کہا گیا کہ امریکی صدر کے اس یکطرفہ فیصلے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اقوام متحدہ' یورپی یونین اور OIC کا موقف بڑا وزنی اور اصولی ہے' کیونکہ بین الاقوامی قوانین کے مطابق کسی ملک کا دوسرے ملک پر زبردستی قبضہ تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اسرائیل نے فلسطینی علاقوں پر زبردستی قبضہ کیا ہوا ہے۔ خاص طور پر مشرقی یروشلم سمیت بعض علاقوں پر ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں قبضہ کیا ہے۔ اس لحاظ سے یروشلم کو اسرائیل کا دارالحکومت تسلیم کرنا تو دور کی بات' اسے اسرائیل کا حصہ بھی تسلیم نہیں کیا جاسکتا اور اس حوالے سے UNO کی قرارداد نمبر ۴۷۸ بھی موجود ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ UNO یورپی یونین اور OIC کے اس اصولی موقف' امریکی فیصلہ کو مسترد کرنے اور عالمِ اسلام کے شدید احتجاج' مظاہروں اور مخالفتوں کے باجود کیا ٹرمپ اور اسرائیل اپنے مذموم عزائم سے باز آجائیں گے؟ جبکہ حالت یہ ہے کہ سعودی عرب' مصر اور متحدہ عرب امارات کے سربراہان OIC کے اس سربراہی اجلاس میں شریک ہی نہیں ہوئے جو امریکی صدر کے امریکی سفارتخانہ یروشلم منتقل کرنے کے اعلان کے بعد ہنگامی طور پر بلایا گیا۔ اسی طرح خلیجی ممالک کی تعاون کی کونسل (مجلس التعاون لدول الخلیج) کے مقاصد میں مسئلہ فلسطین کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ عرب ممالک کی اس سردمہری کو عالمی سطح پر واضح طور پر محسوس کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ بی بی سی نے بھی اس پر تبصرہ کیا ہے کہ: ''۵۷ رکنی اسلامی تعاون کی تنظیم میں عرب ممالک کی شرکت اتنی حوصلہ افزا نظر نہیں آتی جس سے یہ کہا جاسکے کہ امریکی صدر کی یروشلم یا القدس کو اسرائیل کا دارالحکومت قرار دینے کا فیصلہ واپس ہوسکے گا۔''

لہٰذا حقیقت میں عرب ممالک کا ''مدعی سُست اور گواہ چُست'' والا یہ رویہ ہی اسرائیلی جارحیت کو شہ دینے کا اصل اور بنیادی محرک ہے جس کی وجہ سے وہ UNO کی قراردادوں' یورپی یونین اور دیگر عالمی فورمز کی شدید مخالفت کے باوجود فلسطینی علاقوں پر اپنے غاصبانہ قبضے کو نہ صرف برقرار رکھے

ہوئے ہے بلکہ اس کی جارحیت روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔ ورنہ اگر ترکی کی طرح OIC میں شامل دیگر مسلم ممالک بھی اسرائیل سے قطع تعلق کرنے اور امریکہ سے سفارتی اور تجارتی تعلقات کے بائیکاٹ کی دھمکی دے دیں تو امریکہ یا کسی بھی دوسری طاقت کو مسلم اُمّہ کے مفادات کے خلاف کوئی بھی فیصلہ کرنے کی جرأت نہ ہو۔ لیکن دیکھنے میں یہ آرہا ہے کہ عرب ممالک‘ خصوصاً سعودی عرب جو کہ اس وقت دیگر کئی عرب ممالک کی بھی قیادت کررہا ہے‘ کا جھکاؤ OIC یا کسی بھی عالمی اسلامی فورم کی بجائے اسرائیل اور امریکہ کی طرف زیادہ ہے۔ اسرائیلی اور امریکی حکام سے ان کی شرمناک دوستیاں‘ رقص وسرود اور کروڑوں کے تحائف‘ حتیٰ کہ ایک اعلیٰ سعودی عہدیدار کا یہ تک کہہ دینا کہ اگر جنگ ہوئی تو فلسطین کی بجائے ہم اسرائیل کا ساتھ دیں گے‘ یہ سب ثابت کرتا ہے کہ ان کو مسلم اُمّہ کے اجتماعی مفاد سے کوئی غرض نہیں ہے اور نہ ہی یہ اُمہ کے درد کو اپنا درد سمجھتے ہیں‘ بلکہ ذاتی مفاد اور اقتدار ہی ان کے نزدیک اصل مطلوب اور مقصود ہے۔

لہٰذا ہمارے نزدیک اگرچہ اسرائیلی جارحیت بھی بہت بڑا عالمی مسئلہ ہے‘ لیکن اصل مسئلہ مسلم ممالک کے درمیان پائی جانے والی افراتفری‘ پھوٹ اور انتشار ہے‘ جس سے اسرائیل اور اس کی پشت پناہ طاقتیں بھرپور فائدہ اُٹھا رہی ہیں۔ خاص طور پر گذشتہ ایک صدی سے مسلم اُمّہ میں بوئے گئے افتراق کے بیج اپنے اثرات کھل کر دکھا رہے ہیں‘ ورنہ اس سے قبل بھی ان طاقتوں نے مسلم اُمّہ سے یروشلم چھین لینے کی متعدد کوششیں کی ہیں۔ پہلی صلیبی جنگ میں ۷۰ ہزار مسلمان شہید ہوئے اور عیسائیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کرلیا تھا۔ یورپ کو اس جنگ کے لیے اُبھارنے والے پوپ اربن ثانی کے یہودی مالداروں سے گہرے تعلقات تاریخ میں کسی ثبوت کے محتاج نہیں۔ اس کے بعد دو صدیوں تک جاری رہنے والی صلیبی جنگوں میں یورپ نے جس قدر مالی اور جانی نقصان اُٹھایا اُس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی‘ مگر اہلِ یورپ پورا زور لگانے کے باوجود بھی بیت المقدس پر قبضہ بحال رکھنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ اس کے بعد خلافتِ عثمانیہ کے آخری دور میں جب کہ خلافت کا ادارہ اتنا مستحکم نہیں رہا تھا اور ترکی حکومت بھی مقروض تھی‘ اس کے باوجود صہیونی تحریک کا بانی تھیوڈر ہرزل سلطان عبدالحمید کے پاس یہ پیش کش لے کر بار بار آیا کہ کہ اگر آپ فلسطین میں چند یہودی بستیاں قائم کرنے کی اجازت دے دیں تو بدلے میں ترکی کے ذمہ واجب الادا قرضے نہ صرف ادا کردیے جائیں گے بلکہ ترکی کی معیشت کی بہتری کے لیے مزید امداد بھی دی جائے گی۔ لیکن مسلم دنیا کا سربراہ ہونے کے ناطے سلطان نے یہ کہہ کر یہودیوں کی پیش کش کو ٹھکرا دیا کہ میں اپنے جسم کا کوئی حصہ کٹوا سکتا ہوں لیکن میرے جیتے جی یہ ممکن نہیں کہ اُمت کا کوئی حصہ کاٹ کر یہودیوں کے حوالے کردیا جائے۔

ہمارے نزدیک یہ عثمانی سلطنت کی عسکری قوت سے زیادہ عالمِ اسلام کے اجتماعی سیاسی نظام کی برکت تھی جس نے یہود و نصاریٰ کو اُمتِ مسلمہ کے دل یعنی یروشلم میں مکروہ پنجے گاڑنے سے روکا ہوا تھا۔ چنانچہ یہود کو بھی اس بات کا گہرا احساس تھا کہ جب تک مسلمان اجتماعی سیاسی نظام کی چھتری تلے رہیں گے اسرائیل کے قیام کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکے گا۔ لہٰذا اس کے بعد ہی انہوں نے ’’ینگ ترک موومنٹ‘‘ کی بنیاد رکھی‘ جس کا بظاہر ایجنڈا ترکی کو ماڈرنائز کرنا تھا لیکن حقیقت میں مقصد مذہب کو سیاست سے الگ کرنا تھا‘ جس کے لیے اس نے مسلمانوں کے اجتماعی مفاد اور نظام کی بجائے ترک قومیت‘ اور مذہب کی بجائے آئین کی بالادستی کا نعرہ لگایا۔ جس کا لازمی نتیجہ مختلف نسلی‘ لسانی‘ علاقائی قومیتوں کی بنیاد پر سلطنت عثمانیہ کی تقسیم اور اسرائیل کے قیام کی صورت میں سامنے آیا۔ بدقسمتی سے آج بھی کئی مسلم ممالک ماڈرنائزیشن کے اسی خبط میں مبتلا ہیں‘ نتیجہ میں ان کا ہر گزرنے والا دن اسرائیل کے مفاد میں جارہا ہے۔ خاص طور پر سعودی عرب کی سربراہی میں بننے والے ’اتحاد‘ کا ایجنڈا ابھی ینگ ترک موومنٹ کے ایجنڈے سے کوئی زیادہ مختلف نہیں ہے‘ جبکہ عرب حکمران اپنے اقتدار کے استحکام کے لیے اس ایجنڈے پر عمل درآمد کو ضروری سمجھتے ہیں‘ جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ انہوں نے تاریخ کے ان تلخ ابواب سے کوئی سبق نہیں سیکھا جن میں سقوط عثمانیہ کی دردناک تاریخ رقم ہے۔ حالانکہ اتنی بڑی ٹھوکر کھانے کے بعد مسلم حکمرانوں کو جان لینا چاہیے تھا کہ اقتدار کی مضبوطی کا راز ماڈرنائزیشن میں نہیں بلکہ سیاسی اسلام کے غلبہ میں ہے‘ ذاتی اقتدار میں نہیں بلکہ اجتماعی مفاد میں ہے‘ اور قومیتوں میں نہیں بلکہ مسلمانوں کے اجتماعی سیاسی نظام کے احیاء میں ہے۔ جبکہ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ عالمِ اسلام نسلی‘ لسانی‘ علاقائی اور مسلکی بنیادوں پر تقسیم در تقسیم کا شکار ہے اور اپنے اصل دشمنوں کو پہچاننے اور ان سے مل کر مقابلہ کرنے کی بجائے مسلمان ممالک ایک دوسرے کو ہی اپنا ازلی دشمن سمجھ رہے ہیں۔ جیسے ایران اور سعودی عرب آپس میں ایک دوسرے کے بیری ہیں‘ سعودی عرب اور یمن کا تنازعہ چل رہا ہے‘ اسی طرح قطر اور لبنان کے ساتھ بھی تعلقات کشیدہ ہیں۔ ایران کے اپنے علاقائی مفادات ہیں۔ یہ سب وہ حالات ہیں جو مشترکہ دشمن کا مقابلہ کرنے کی بجائے مسلم ممالک کو دشمن کا ترنوالہ بنا رہے ہیں۔ لہٰذا اسلامی ممالک کو اگر اپنے مسائل سے چھٹکارا پانا ہے تو اس کا ایک ہی حل ہے کہ تمام مسلم ممالک آپس میں اتحاد اور اتفاق کی فضا پیدا کریں‘ اپنے باہمی اختلاف کو آپس میں مل بیٹھ کر حل کریں اور اپنے مشترکہ دشمن کے لیے سب یکجا ہوجائیں۔ کیونکہ ع ’’موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں!

❁❁❁

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ الاَحزَاب

تمہیدی کلمات

سورۃ الاحزاب ۵ ہجری میں نازل ہوئی۔ جیسا کہ سورۃ النّور کے تعارف کے ضمن میں بھی ذکر ہو چکا ہے‘ سورۃ الاحزاب اور سورۃ النور کا آپس میں جوڑے کا تعلق ہے۔ دونوں مدنی سورتیں ہیں اور مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے ان دونوں میں ایک خاص مناسبت یہ بھی ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے گروپ کے آخر کی واحد مدنی سورت ہے۔ پچھلے گروپ کی چودہ مکّی سورتوں (سورۂ یونس تا سورۃ المؤمنون) کے آخر میں سورۃ النور ہے جبکہ زیر مطالعہ گروپ کی آٹھ مکی سورتوں (سورۃ الفرقان تا سورۃ السجدۃ) کے آخر میں سورۃ الاحزاب۔

سورۃ النّور ۶ ہجری میں یعنی سورۃ الاحزاب کے ایک سال بعد نازل ہوئی اور یہی زمانی ترتیب ان دونوں سورتوں کے مضامین میں بھی نظر آتی ہے۔ مثلاً پردے سے متعلق ابتدائی احکام سورۃ الاحزاب میں ہیں۔ ان میں عورت کے لیے گھر سے باہر کے پردے اور دوسروں کے گھروں میں نامحرم مَردوں کے داخلے پر پابندی سے متعلق ہدایات شامل ہیں۔ لیکن گھر کے اندر رہتے ہوئے عورت کے لباس اور ستر سے متعلق احکام اور اس سلسلے میں محرم مَردوں کے بارے میں تفصیلات سورۃ النور میں دی گئی ہیں۔ (گھر کے اندرونی ماحول میں عورتوں کے پردے سے متعلق احکام کا عکس کچھ عرصہ پہلے تک ہمارے معاشرے میں عملی طور پر بھی نظر آتا تھا۔ گھروں کے مردانہ اور زنانہ حصے الگ الگ بنائے جاتے تھے۔ درمیان میں ڈیوڑھی ہوتی تھی جو دونوں حصوں کو آپس میں ملاتی تھی۔ مہمان اگر کوئی نامحرم مرد ہوتا تو وہ گھر کے اندر داخل ہونے کے بجائے مردانہ حصے میں ہی ٹھہرتا تھا‘ جبکہ محرم افراد گھر کے اندر جا سکتے تھے)۔ اسی طرح سورۃ النور میں خلافت کے قیام کی خوشخبری دی گئی ہے‘ جبکہ خلافت کے قیام کی تمہیدی جدّوجُہد کے اہم موڑ (turning point) کی حیثیت سے غزوۂ احزاب کا ذکر سورۃ

الاحزاب میں آیا ہے۔ سورۃ النور کی آیت ۳۵ اور سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۵ کے مضامین کا باہمی ربط بھی ان دونوں سورتوں کی مشابہت کی نشاندہی کرتا ہے جس کا ذکر سورۃ النور کے مطالعہ کے دوران میں ہو چکا ہے۔

ابتدائی آیات میں مضامین کی ترتیب کے حوالے سے اس سورت کا اسلوب سورۃ التوبہ سے ملتا جلتا ہے۔ یہ دراصل قرآن کا ایک اہم اسلوب ہے جس کے تحت کسی اہم مضمون یا موضوع کو آیات کی ترتیب بدل کر اہم خبر (head line) کے طور پر پہلے بیان کر دیا جاتا ہے‘ جبکہ اس مضمون کی تفصیل بعد میں بیان کی جاتی ہے۔ جیسے ہم دیکھتے ہیں کہ سورۃ الانفال کا آغاز جس مضمون سے ہوا ہے اسے صرف ایک آیت کے بعد ہی چھوڑ دیا گیا ہے۔ بعد میں اس مضمون کی وضاحت سورت کے وسط (آیت ۴۱) میں آئی ہے۔

بہر حال اس خصوصی اسلوب کے حوالے سے سورۃ التوبہ اور سورۃ الاحزاب میں بہت مماثلت پائی جاتی ہے۔ سورۃ التوبہ کا آغاز ایک بہت اہم اعلان اور مضمون سے ہوا ہے‘ لیکن اس کے بعد ترتیب میں دوسرے اور تیسرے رکوع کی وہ آیات آ گئی ہیں جو ایک سال قبل نازل ہوئی تھیں اور پھر ان آیات کے بعد پہلے رکوع کے مضمون کا سلسلہ چوتھے رکوع کے ساتھ جا کر ملتا ہے۔ بالکل اسی طرح سورۃ الاحزاب کے آغاز میں بھی ایک اہم مضمون کا ذکر آیا ہے لیکن چند ابتدائی آیات کے بعد یہ موضوع بدل گیا ہے۔ یہ اہم مضمون جس سے اس سورت کا آغاز ہوا ہے وہ حضور ﷺ کے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے معاملے اور حضور ﷺ کے ساتھ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے نکاح سے متعلق ہے۔ لیکن ابتدائی آیات میں اس مضمون کی head line کے طور پر صرف منہ بولے بیٹے کی قانونی اور شرعی حیثیت کے بارے میں حکم دے کر اس موضوع کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ اس کے بعد دوسرے اور تیسرے رکوع میں غزوۂ احزاب کا ذکر آ گیا ہے جبکہ پہلے رکوع کے مضمون کا ربط بعد میں چوتھے رکوع سے جا کر ملا ہے۔

آیات ۱ تا ۸

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا

حَكِيمًا ۝١ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
خَبِيْرًا ۝٢ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝٣ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ
قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ
وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ
الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ ۝٤ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ
فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ؕ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ
جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا
رَّحِيْمًا ۝٥ اَلنَّبِىُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ
وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ
مَسْطُوْرًا ۝٦ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ
وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝٧ لِّيَسْـَٔلَ
الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝٨

آیت ۱ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِىُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ؕ﴾
''(اے نبی ﷺ!) اللہ کا تقویٰ اختیار کیجیے اور کافرین و منافقین کی باتیں نہ مانیے۔''

جس طرح لفظ امر میں ''حکم'' کے ساتھ ساتھ ''مشورہ'' کے معنی بھی پائے جاتے ہیں' اسی طرح ''اطاعت'' کے معنی حکم ماننے کے بھی ہیں اور کسی کی بات پر توجہ اور دھیان دینے کے بھی۔ چنانچہ یہاں وَلَا تُطِعِ کے الفاظ میں نبی مکرم ﷺ کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ آپؐ ان لوگوں کی باتوں پر دھیان مت دیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝١﴾ ''یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا' کمال حکمت والا ہے۔''

آیت ۲ ﴿وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ﴾ ''اور آپؐ پیروی کیجیے اُس (ہدایت) کی جو آپؐ کی طرف وحی کی جا رہی ہے آپؐ کے رب کی جانب سے۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝٢﴾ ''یقیناً اللہ اُن سب باتوں سے باخبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔''

آیت ۳ ﴿وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝٣﴾ ''اور آپؐ اللہ پر توکّل کیجیے۔ اور اللہ کافی ہے توکّل کے لیے۔''

یعنی آپؐ کو لوگوں کی طرف سے منفی پراپیگنڈے کا جو اندیشہ ہے اسے نظر انداز کر دیجیے اور اللہ پر توکّل اور بھروسہ کیجیے جس کا سہارا آپؐ کے لیے کافی ہے۔

آیت ۴ ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِىْ جَوْفِهٖ ۚ﴾ ''اللہ نے کسی شخص کے سینے میں دو دِل نہیں رکھے۔''

جـــوف کے معنی خالی جگہ کے ہیں اور یہاں اس سے سینے کا اندرونی حصہ (chest cavity) مراد ہے جس کے بائیں جانب دل ہوتا ہے۔ یعنی ہر انسان کے سینے میں اللہ نے ایک ہی دل رکھا ہے۔ اور اگر محاورۃً یوں کہا جائے کہ فلاں اور فلاں کے دل یکجا ہو گئے ہیں یا فلاں کا دل فلاں کے دل سے مل گیا ہے تو محض اس طرح کہہ دینے سے کسی کے سینے کے اندر حقیقت میں دو دل نہیں ہو جاتے۔ چنانچہ جس طرح یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے سینے میں دو دل نہیں بنائے' اسی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کسی شخص کی دو مائیں نہیں ہوتیں۔ کسی شخص کی ماں صرف وہی ہے جس نے اسے جنم دیا اور کسی انسان کا باپ صرف وہی ہے جس کے صُلب سے وہ پیدا ہوا۔

﴿وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ﴾ ''اور نہ اس نے تمہاری ان بیویوں کو تمہاری مائیں بنایا ہے جن سے تم ظہار کر بیٹھتے ہو۔''

''ظِهـــار'' عرب کے دورِ جاہلیت کی ایک اصطلاح ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے ناراض ہو کر کبھی یوں کہہ دیتا کہ اَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ (اب تو میرے اوپر اپنی ماں کی پیٹھ کی طرح حرام ہے) تو اب اسے طلاقِ مغلّظ در مغلّظ شمار کیا جاتا اور اس کی بیوی اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی۔ یہاں اس خود ساختہ تصور کی نفی کر دی گئی کہ تم میں سے کسی کے اپنی بیوی کو ماں کہہ دینے یا ماں کے ساتھ تشبیہہ دے دینے سے وہ اس کی ماں نہیں بن جاتی۔ ''ظہار'' کے بارے میں واضح احکام سورۃ المجادلہ (پارہ ۲۸) کی ابتدائی آیات میں دیے گئے ہیں۔

﴿وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ﴾ ''اور نہ ہی اس نے تمہارے مُنہ بولے بیٹوں کو تمہارے بیٹے بنایا ہے۔''

﴿ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۚ﴾ ''یہ سب تمہارے اپنے مُنہ کی باتیں ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہاری ان خودساختہ باتوں کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔ کسی کی ماں صرف وہی ہے جس نے اسے جنم دیا ہے اور کسی شخص کا بیٹا بھی صرف وہی ہے جو اس کے صُلب سے پیدا ہوا۔ فقط کسی کے کہہ دینے سے کوئی عورت کسی کی ماں نہیں بن جاتی اور کسی کے زبانی دعویٰ سے کوئی کسی کا بیٹا نہیں بن جاتا۔

﴿وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ ۝۴﴾ ''اور اللہ حق کہتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔''

آیت ۵ ﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ﴾ ''(لہٰذا) انہیں پکارا کرو ان کے باپوں کی نسبت سے' یہ زیادہ مبنی برانصاف ہے اللہ کے نزدیک۔''

اس واضح حکم کے بعد کسی کی ولدیت تبدیل کرنا حرامِ مطلق ہے۔ چنانچہ اس حکم کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ کو زیدؓ بن محمدؐ کے بجائے زیدؓ بن حارثہ کہا جانے لگا۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض لوگ کسی وجہ سے کسی کا بچہ لے کر پالتے ہیں تو اس کی ولدیت کی جگہ اپنا نام لکھوانا چاہتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جب بڑے ہو کر بچے کو پتا چلے گا کہ وہ اس کے والدین نہیں تو اسے ذہنی طور پر شدید دھچکا لگے گا جو اس کے لیے بہت سے نفسیاتی مسائل کا باعث بنے گا۔ لیکن ایسا کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

﴿فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ؕ﴾ ''اور اگر تمہیں ان کے باپوں کے بارے میں پتا نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں۔''

کسی وجہ سے یوں بھی ہو سکتا ہے کہ کسی بچے کی ولدیت کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم ہی نہ ہو۔ جیسے پاک بھارت تقسیم کے دوران اس طرح کے واقعات ہوئے کہ مہاجرین کی ایک ٹرین میں سب لوگ مارے گئے اور کوئی بچہ زندہ بچ گیا۔ بعد میں کسی نے اس بچے کو پال لیا' لیکن اس کے والدین کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہ ہو سکا۔

﴿وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ﴾ ''اور اس معاملے میں تم سے جو خطا

ہوئی ہے اُس پر تم سے کوئی مؤاخذہ نہیں''

یعنی اس حکم سے پہلے اس سلسلے میں اگر تم سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو اللہ کے ہاں اس کی پکڑ نہیں ہوگی۔

﴿وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ﴾ ''لیکن تم لوگ جو کچھ اپنے دلوں کے ارادے سے کرو گے (اس کا ضرور احتساب ہوگا)۔''

﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۵﴾ ''اور اللہ بہت بخشنے والا' نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

آیت ۶ ﴿اَلنَّبِىُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ ''یقیناً نبیؐ کا حق مؤمنوں پر خود اُن کی جانوں سے بھی زیادہ ہے''

تمام اہلِ ایمان پر لازم ہے کہ وہ اپنی جانوں سے زیادہ حضور ﷺ کی جان کی فکر کریں اور آپؐ کو اپنے ماں باپ' اپنی اولاد اور اپنی جان سے بڑھ کر محبوب رکھیں۔ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان صحیحین میں ذرا سے لفظی فرق کے ساتھ نقل ہوا ہے:

((لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ)) (۱)

''تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اُس کو اُس کے باپ' اُس کی اولاد اور سب انسانوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔''

﴿وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ﴾ ''اور نبیؐ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔''

یہاں پر اس فقرے سے پہلے ''وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ'' کے الفاظ کو محذوف سمجھا جانا چاہیے' یعنی حضور ﷺ مؤمنوں کے لیے بمنزلہ باپ کے ہیں۔ اس سلسلے میں آپؐ کا فرمان بھی ہے کہ: ((اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ)) (۲) یعنی تم سب کے لیے میری حیثیت والد کی سی ہے۔ قرآن مجید کے ان الفاظ کی رو سے نبی کریم ﷺ کی بیویاں مسلمانوں کے لیے اسی طرح قابل احترام ہیں جس

(۱) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب حب الرسول من الایمان۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب وجوب محبة رسول اللّٰہ ﷺ من اکثر من الاھل والولد والوالد۔

(۲) سنن ابی داؤد' کتاب الطھارة' باب کراھیة استقبال القبلة عن قضاء الحاجة۔

طرح ان کی حقیقی مائیں قابل احترام ہیں۔ چنانچہ ازواجِ مطہرات ؓ کے ناموں کے ساتھ ''اُمّ المؤمنینؓ'' کے الفاظ کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ مثلاً اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ ؓ' اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ ؓ' اُمّ المؤمنین حضرت صفیہ ؓ' اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنت جحش ؓ!

﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ﴾ ''اور رحمی رشتے رکھنے والے اللہ کی کتاب کے مطابق' مؤمنین و مہاجرین کی نسبت ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں''

﴿اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ﴾ ''سوائے اس کے کہ تم لوگ اپنے دوستوں کے ساتھ کوئی حُسنِ سلوک کرنا چاہو۔''

اس سے پہلے ''اُولُوا الْاَرْحَامِ'' کے بارے میں یہی الفاظ سورۃ الانفال کی آخری آیت میں بھی آچکے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اللہ کے قانون میں رحمی اور خونی رشتے دوسرے تمام رشتوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ یہاں پر مؤمنین و مہاجرین کا ذکر کر کے مدینہ کے مقامی معاشرے میں ایک مخصوص صورتِ حال کی بھی وضاحت کر دی گئی کہ اگرچہ تمہارے مہاجرین اور انصار کے درمیان ''مؤاخات'' کے تحت بے مثال رشتے قائم ہو چکے ہیں اور تم لوگوں نے ان رشتوں کے حوالے سے ایثار کی نئی نئی مثالیں بھی قائم کر کے دکھائی ہیں' لیکن اللہ کے قانونِ وراثت میں ایسے رشتوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ چنانچہ قانونِ وراثت میں نہ تو انصار و مہاجرین جیسے کسی بھائی چارے کا لحاظ ہوگا اور نہ ہی مُنہ بولے رشتوں کے لیے کوئی حصہ مخصوص کیا جائے گا۔ البتہ اگر کوئی شخص اپنے تعلقات کی بنا پر کسی دینی بھائی' عزیز یا دوست کو کوئی چیز تحفۃً دینا چاہے یا کسی کے حق میں کوئی چیز ہبہ کرنا چاہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔

﴿كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝٦﴾ ''یہ سب باتیں (پہلے سے) کتاب میں لکھی ہوئی ہیں۔''

کتاب میں لکھے ہوئے سے مراد لوحِ محفوظ یا اس موضوع پر تورات کے احکام بھی ہو سکتے ہیں اور خود قرآنی احکام بھی' جو اس سے پہلے سورۃ النساء اور سورۃ الانفال میں نازل ہو چکے تھے۔

آیت ۷ ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ﴾ ''اور (یاد کرو) جب ہم نے انبیاء سے ان کا عہد لیا تھا''

''میثاق النبیّین'' کا ذکر اس سے پہلے سورۂ آل عمران کی آیت ۸۱ اور ۸۲ میں بھی آچکا ہے۔

﴿وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠﴾ ''اور آپؐ سے بھی' اور نوحؑ' ابراہیمؑ' موسیٰؑ اور عیسیٰؑ ابن مریم سے بھی۔''

﴿وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝٧﴾ ''اور ان سب سے ہم نے بڑا گاڑھا قول و قرار لیا تھا۔''

یہاں یہ نکتہ خصوصی طور پر لائقِ توجہ ہے کہ اگر کوئی شخص ارواح کے علیحدہ وجود کا منکر ہو اور یہ بھی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ ہو کہ بنی نوع انسان کی تمام ارواح پہلے پیدا کر دی گئی تھیں تو اس کے لیے اس آیت میں مذکور میثاق کی توجیہہ کرنا کسی طرح بھی ممکن نہیں۔ بہر حال قرآن میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ ارواح سے دو عہد لیے گئے۔ ان میں سے ایک عہد کا ذکر سورۃ الاعراف کی آیت ۱۷۲ میں ہے' جسے ''عہدِ الست'' کہا جاتا ہے اور یہ عہد بلا تخصیص تمام انسانی ارواح سے لیا گیا تھا۔ دوسرے عہد کا ذکر آیت زیر مطالعہ اور سورۂ آل عمران کی آیت ۸۱ میں ہے جو صرف انبیاء کی ارواح سے اضافی طور پر لیا گیا تھا۔ اس عہد میں روحِ محمد (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) بھی موجود تھی اور دوسرے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح بھی۔ جو لوگ ارواح کے علیحدہ وجود کو تسلیم نہیں کرتے ان کا کہنا ہے کہ عہد کا یہ ذکر استعاراتی انداز میں ہوا ہے۔ لیکن اگر ان کا یہ موقف تسلیم کر لیا جائے تو پھر قرآن کے تمام احکام ہی استعارہ بن کر رہ جائیں گے اور حقیقت ان استعاروں میں گم ہو جائے گی۔

آیت ۸ ﴿لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ﴾ ''تاکہ اللہ پوچھ لے سچے لوگوں سے ان کے سچ کے بارے میں۔''

یہاں اس فقرے کے بعد یہ الفاظ گویا محذوف ہیں: وَالْكٰذِبِيْنَ عَنْ كِذْبِهِمْ (اور وہ جھوٹوں سے بھی پوچھ لے ان کے جھوٹ کے بارے میں!) تاکہ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں سے ان کے عقائد و اعمال کے بارے میں اچھی طرح سے پوچھ گچھ کر لے۔

﴿وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝٨﴾ ''اور اُس نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے لیے ایک دردناک عذاب۔''

پہلے رکوع کے اختتام پر اس مضمون کا سلسلہ عارضی طور پر منقطع کیا جا رہا ہے۔ یہاں پر تمہیداً مُنہ بولے بیٹے کی قانونی حیثیت کو واضح کر دیا گیا اور حضور ﷺ کو ہدایت فرمائی گئی کہ آپؐ کافرین و منافقین کی باتوں کی طرف بالکل دھیان نہ دیں اور ان کی طرف سے منفی پراپیگنڈے کے اندیشوں کو بالکل نظر انداز کر کے اللہ کے حکم پر عمل کریں —— اس مضمون کی مزید تفصیل چوتھے رکوع میں آئے گی۔

آیات ۹ تا ۲۰

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا
عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۚ﴿۹﴾ اِذْ
جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ
الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ﴿۱۰﴾ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا
زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿۱۱﴾ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا
وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا
مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا
عَوْرَةٌ ؕ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ
اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ كَانُوْا
عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ
لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا
قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ
بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ قَدْ يَعْلَمُ
اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ
الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ
اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ
الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا

فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۹﴾ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ
لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ
يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ؕ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲۰﴾

اب دوسرے اور تیسرے رکوع میں غزوۂ احزاب کا ذکر ہے۔ یہ غزوہ ۵ ہجری میں ہوا اور اس کی منصوبہ بندی میں کلیدی کردار مدینہ سے نکالے گئے یہودی قبیلہ بنونضیر کے سرداروں نے ادا کیا۔ بنونضیر کو عہد شکنی کی سزا کے طور پر ۴ ہجری میں مدینہ سے نکال دیا گیا تھا۔ مدینہ سے نکلنے کے بعد وہ لوگ خیبر میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ وہ نہ صرف مسلمانوں سے انتقام لینا چاہتے تھے بلکہ ان کا خیال تھا کہ اگر مسلمانوں کا قلع قمع ہو جائے تو انہیں دوبارہ مدینہ میں آباد ہونے کا موقع مل جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے بڑی تگ و دو سے عرب کی تمام مسلم مخالف قوتوں کو متحد کر کے مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کیا۔ اس کے لیے انہوں نے ابو عامر راہب (جس کا تذکرہ اس سے پہلے سورۃ التوبہ کے مطالعے کے دوران مسجد ضرار کے حوالے سے آیت ۱۰۷ کی تشریح کے ضمن میں ہو چکا ہے) کی مدد سے قریشِ مکہ، نجد کے بنوغطفان اور عرب کے دیگر چھوٹے بڑے قبائل سے رابطہ کیا۔ اپنی اس مہم کے نتیجے میں وہ لگ بھگ بارہ ہزار جنگجوؤں پر مشتمل ایک بہت بڑا لشکر تیار کرنے اور اس کو مدینہ پر چڑھا لانے میں کامیاب ہو گئے۔ عربوں کے مخصوص قبائلی نظام کی تاریخ کو مدنظر رکھا جائے تو اس زمانے میں اتنے بڑے پیمانے پر لشکر کشی ایک انہونی سی بات تھی۔

دوسری طرف مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد مشکل سے تین ہزار تھی اور اس میں بھی منافقین کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ اس کے علاوہ ایک بہت طاقتور یہودی قبیلے بنوقریظہ کی مدینہ میں موجودگی بھی ایک بہت بڑے خطرے کی علامت تھی۔ مدینہ میں ان لوگوں نے مضبوط گڑھیاں بنا رکھی تھیں۔ اس سے پہلے مدینہ کے دو یہودی قبائل بنوقینقاع اور بنونضیر میثاقِ مدینہ کی خلاف ورزی کر کے مسلمانوں سے غداری کر چکے تھے۔ اس پس منظر میں اس طاقتور یہودی قبیلے کی طرف سے بھی نہ صرف غداری کا اندیشہ تھا، بلکہ حملہ آور قبائل کے ساتھ ان کے خفیہ گٹھ جوڑ کے بارے میں ٹھوس اطلاعات بھی آ چکی تھیں۔ ان حالات میں مٹھی بھر مسلمانوں کے لیے اتنے بڑے لشکر سے مقابلہ کرنا بظاہر ممکن نہیں تھا۔

اس صورت حال میں حضور ﷺ نے جب صحابہؓ سے مشورہ کیا تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

کی طرف سے خندق کھودنے کی تجویز سامنے آئی۔ حضرت سلمان ؓ کا تعلق ایران سے تھا۔ آپؓ نے ایران میں رائج اس مخصوص طرزِ دفاع کے بارے میں اپنی ذاتی معلومات کی روشنی میں یہ مشورہ دیا جو حضور ﷺ نے پسند فرمایا۔ محل وقوع کے اعتبار سے مدینہ کی آبادی تین اطراف سے قدرتی طور پر محفوظ تھی۔ مشرق اور مغرب میں حرّات (لاوے کی چٹانوں) پر مشتمل علاقہ تھا۔ اس علاقے میں اونٹوں اور گھوڑوں کی نقل وحرکت نہ ہو سکنے کی وجہ سے ان دونوں اطراف سے کسی بڑے حملے کا خطرہ نہیں تھا۔ عقب میں جنوب کی طرف بنوقریظہ کی گڑھیاں تھیں اور چونکہ ان کے ساتھ حضور ﷺ کا باقاعدہ معاہدہ تھا اور ابھی تک ان کی طرف سے کسی بدعہدی کا اظہار نہیں ہوا تھا اس لیے بظاہر یہ سمت بھی محفوظ تھی۔ اس طرح مدینہ کی صرف شمال مغربی سمت میں ہی ایسا علاقہ تھا جہاں سے اجتماعی فوج کشی کا خطرہ باقی رہ جاتا تھا۔ اس لیے اس علاقہ میں حضور ﷺ نے خندق کھودنے کا فیصلہ فرمایا۔ خندق کا مقصد اس سمت سے کسی بڑے حملے، خصوصاً گھڑسوار دستوں کی یلغار کو ناممکن بنانا تھا۔ اگر یکبارگی کسی بڑے حملے کا امکان نہ رہتا تو انفرادی طور پر خندق پار کرنے والے جنگجوؤں کے ساتھ آسانی سے نپٹا جا سکتا تھا۔

حضور ﷺ کے حکم سے خندق کی کھدائی کا کام شروع ہو گیا اور چھ دن کے اندر اندر یہ خندق تیار ہو گئی۔ لیکن خندق تو محض ایک مسئلے کا حل تھا، جبکہ حالات تھے کہ انسانی تصور سے بھی بڑھ کر گھمبیر تھے۔ جزیرہ نمائے عرب کی تاریخ کے سب سے بڑے لشکر سے مقابلہ، منافقین کی مدینہ کے اندر آستین کے سانپوں کی حیثیت سے موجودگی، شدید سردی کا موسم، قحط کا زمانہ، رسد کی شدید کمی اور یہودی قبیلہ بنوقریظہ کی طرف سے بدعہدی کا خدشہ! غرض خطرات ومسائل کا ایک سمندر تھا جس کی خوفناک لہریں پے در پے مسلمانوں پر اپنے تھپیڑوں کی یلغار کیے بڑھتی ہی چلی جا رہی تھیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے صبر اور امتحان کے لیے ایک بہت ہی سخت اور خوفناک صورت پیدا کر دی تھی۔

اسی دوران حضرت نُعیم بن مسعود ؓ جن کا تعلق بنوغطفان کی شاخ اَشجع قبیلے سے تھا، حضور ﷺ سے ملنے مدینہ آئے اور عرض کیا کہ میں اسلام قبول کر چکا ہوں مگر اس بارے میں ابھی تک کسی کو علم نہیں۔ اگر آپ ﷺ مجھے اجازت دیں تو میں بڑی آسانی سے حملہ آور قبائل اور بنوقریظہ کے مابین بداعتمادی پیدا کر سکتا ہوں۔ واضح رہے کہ بنوقریظہ اور حملہ آور قبائل کے مابین سلسلۂ جنبانی کا آغاز ہو چکا تھا۔ بنونضیر کا یہودی سردار حُیَیّ بن اخطب بنوقریظہ کے پاس پہنچا تھا اور انہیں مسلمانوں کے ساتھ بدعہدی پر آمادہ کر چکا تھا۔ اس طرح بنوقریظہ عہد شکنی کے

مرتکب ہو چکے تھے۔ چنانچہ حضور ﷺ کی اجازت سے حضرت نعیم بن مسعود ؓ بنوقریظہ کے پاس گئے اور انہیں سمجھایا کہ دیکھو محمد (ﷺ) کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے۔ اگر تم ان سے عہد شکنی کر کے حملہ آور قبائل کا ساتھ دو گے تو عین ممکن ہے کہ تم اپنی توقعات کے مطابق مسلمانوں کو ختم کرنے میں کامیاب ہو جاؤ۔ لیکن یہ بھی تو سوچو کہ اگر یہ منصوبہ ناکام ہوا تو تمہارا کیا بنے گا؟ آخر اس کا امکان تو موجود ہے نا، خواہ کتنا ہی خفیف کیوں نہ ہو! ایسی صورت میں باہر سے آئے ہوئے سب لوگ تو محاصرہ اٹھا کر چلتے بنیں گے اور تمہیں مسلمانوں کے رحم وکرم پر چھوڑ جائیں گے۔ اس لیے بہتر ہوگا کہ حملہ آور قبائل کا ساتھ دینے سے پہلے تم لوگ اپنی حفاظت کی ضمانت کے طور پر ان سے کچھ افراد بطور یرغمال مانگ لو۔

اس کے بعد حضرت نُعیم ؓ حملہ آور قبائل کے سرداروں کے پاس گئے اور انہیں خبردار کیا کہ بنوقریظہ تم لوگوں سے مخلص نہیں، وہ تم سے کچھ آدمی بطور یرغمال مانگنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں تاکہ تمہارے آدمی مسلمانوں کے حوالے کر کے انہیں اپنی وفاداری کا یقین دلا سکیں۔ چنانچہ تم لوگ ان سے خبردار رہنا اور کسی قیمت پر بھی اپنے آدمی ان کے سپرد نہ کرنا! حملہ آور قبائل اور بنوقریظہ کے درمیان مسلمانوں پر مشترکہ حملے کے بارے میں معاہدہ طے پانے ہی والا تھا، لیکن معاہدے کو حتمی شکل دینے سے پہلے جب بنوقریظہ نے حملہ آور قبائل سے کچھ افراد بطور ضمانت مانگے تو انہوں نے ان کا یہ مطالبہ رد کر دیا۔ اس طرح فریقین کے اندر بداعتمادی کی فضا پیدا ہو گئی اور مسلمانوں کے خلاف ایک انتہائی خطرناک منصوبہ ناکام ہو گیا۔

بنوقریظہ کی طرف سے عدم تعاون کے بعد حملہ آور لشکر کی کامیابی کی رہی سہی امید بھی دم توڑ گئی۔ دوسری طرف انہیں موسم کی شدت اور رسد کی قلت کی وجہ سے بھی پریشانی کا سامنا تھا۔ ان حالات میں ایک رات قدرتِ الٰہی سے شدید آندھی آئی جس سے ان کے کیمپ کی ہر چیز درہم برہم ہو گئی۔ خیمے اُکھڑ گئے، کھانے کی دیگیں الٹ گئیں اور جانور دہشت زدہ ہو گئے۔ اس غیبی وار کی شدت کے سامنے ان کی ہمتیں بالکل ہی جواب دے گئیں۔ چنانچہ اسی افراتفری کے عالَم میں تمام قبائل نے واپسی کی راہ لی۔

یہ محاصرہ تقریباً پچیس دن تک جاری رہا۔ مسلمانوں کے لیے تو یہ ایک بہت سخت امتحان تھا ہی، جس سے وہ سرخرو ہو کر نکلے، لیکن دوسری طرف اس آزمائش سے منافقین کے نفاق کا پردہ بھی چاک ہو گیا اور ایک ایک منافق کا خُبثِ باطن اس کی زبان پر آ گیا۔ یہی دراصل اس آزمائش کا مقصد بھی تھا: ﴿لِيَمِيزَ اللّٰهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾ (الانفال: ۳۷) ''تاکہ اللہ ناپاک کو پاک

سے چھانٹ کر الگ کر دے“ —— سورۃ العنکبوت کے پہلے رکوع میں یہی اصول اور قانون اللہ تعالیٰ نے سخت تاکیدی الفاظ میں دو دفعہ بیان فرمایا ہے۔ پہلے فرمایا: ﴿فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ③﴾ ”چنانچہ اللہ ظاہر کر کے رہے گا اُن کو جو (اپنے دعوائے ایمان میں) سچے ہیں اور ان کو بھی جو جھوٹے ہیں۔“ پھر اس کے بعد دوبارہ فرمایا: ﴿وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ⑪﴾ ”اور یقیناً اللہ ظاہر کر کے رہے گا سچے اہل ایمان کو اور ظاہر کر کے رہے گا منافقین کو بھی!“

اس معاملے کا ایک اور اہم پہلو یہ بھی ہے کہ جس طرح ۵ نبویؐ میں مکہ کے اندر غلاموں، نوجوانوں اور بے سہارا مسلمانوں کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا (اس کی تفصیل سورۃ العنکبوت کے پہلے رکوع کے مطالعے کے دوران گزر چکی ہے) بالکل اسی طرح ۵ ہجری میں مدینہ کے اندر بھی مسلمانوں کو غزوۂ خندق کی صورت میں سخت ترین آزمائش سے دوچار ہونا پڑا۔ بلکہ اس ضمن میں میری رائے (واللہ اعلم) تو یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر ذاتی طور پر سب سے مشکل وقت آپؐ کے سفرِ طائف کے دوران آیا تھا، جبکہ مسلمانوں کو اجتماعی سطح پر شدید ترین تکلیف دہ صورت حال کا سامنا غزوۂ خندق کے موقع پر کرنا پڑا۔

آیت ۹ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ ”اے اہلِ ایمان! یاد کرو اللہ کے اُس انعام کو جو تم لوگوں پر ہوا“

﴿اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ﴾ ”جب تم پر حملہ آور ہوئے بہت سے لشکر“

یہ لشکر مدینہ پر چاروں طرف سے چڑھ آئے تھے۔ بنو غطفان اور بنو خزاعہ کے لشکروں نے مشرق کی طرف سے چڑھائی کی، جنوب مغرب کی طرف سے قریشِ مکہ حملہ آور ہوئے، جبکہ شمال کی جانب سے انہیں بنو نضیر اور خیبر کے دوسرے یہودی قبائل کی مکمل پشت پناہی حاصل تھی۔

﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ﴾ ”تو ہم نے ان پر ایک سخت آندھی بھیجی اور ایسے لشکر بھی جو تم نے نہیں دیکھے۔“

یعنی آندھی کی کیفیت تو تم لوگوں نے بھی دیکھی تھی، لیکن اس کے علاوہ ہم نے ان پر فرشتوں کے لشکر بھی بھیجے تھے جو تم کو نظر نہیں آئے۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ⑨﴾ ”اور جو کچھ تم لوگ کر رہے تھے اللہ اسے دیکھ رہا تھا۔“

اس ایک جملے میں محاصرے کے دوران ہر فرد کے رویے کا احاطہ کر دیا گیا ہے۔ اس دوران کس کا ایمان غیر متزلزل رہا، کس کی نیت میں نفاق تھا اور کون اپنے نفاق کو زبان پر لے آیا، اللہ کو سب معلوم ہے۔ یہ محاصرہ تقریباً پچیس دن تک رہا۔ اس دوران اِکا دُکا مقامات پر معرکہ آرائی بھی ہوئی۔ اس حوالے سے حضرت علی ؓ اور عرب کے مشہور پہلوان عبدِ وُد کے درمیان ہونے والا مقابلہ تاریخ میں بہت مشہور ہے۔ عبدِ وُد پورے عرب کا مانا ہوا شہسوار تھا۔ اس کی عمر نوے سال تھی مگر وہ اس عمر میں بھی ہزار جنگجوؤں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ کوئی اکیلا شخص اس کے مقابلے میں آنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ گھوڑے کو بھگاتے ہوئے ایک ہی زقند میں خندق پار کرنے میں کامیاب ہو گیا اور تنِ تنہا اس طرف آ کر دعوتِ مبارزت دی کہ تم میں سے کوئی ہے جو میرا مقابلہ کرے؟ ادھر سے حضرت علی ؓ اس کے مقابلے کے لیے تیار ہوئے۔

حضرت علیؓ کے سامنے آنے پر اُس نے کہا کہ میں اپنے مقابل آنے والے ہر شخص کو تین باتیں کہنے کا موقع دیتا ہوں اور ان میں سے ایک بات ضرور قبول کرتا ہوں۔ اس لیے تم اپنی تین خواہشات کا اظہار کرو۔ اس پر حضرت علی ؓ نے کہا کہ میری پہلی خواہش تو یہ ہے کہ تم ایمان لے آؤ۔ اُس نے کہا کہ یہ تو نہیں ہو سکتا۔ حضرت علیؓ نے اپنی دوسری خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ تم جنگ سے واپس چلے جاؤ! اُس نے کہا کہ یہ بھی ممکن نہیں۔ ان دونوں باتوں سے انکار پر آپؓ نے فرمایا کہ پھر آؤ اور مجھ سے مقابلہ کرو! اس پر اس نے ایک بھرپور قہقہہ لگاتے ہوئے حیرت کا اظہار کیا کہ آج تک پورے عرب میں اس کے سامنے کسی کو ایسا کہنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ بہرحال دو بدو مقابلے میں حضرت علی ؓ نے اسے واصلِ جہنم کر دیا۔ اس طرح کے اِکا دُکا انفرادی مقابلوں کے علاوہ دونوں لشکروں کے درمیان کسی بڑے اجتماعی معرکے کی نوبت نہیں آئی۔

محاصرے کے غیر متوقع طور پر طول کھینچنے سے کفار کے لشکر میں روز بروز بددلی پھیلتی جا رہی تھی۔ اس دوران حضرت نُعیم بن مسعود اشجعی ؓ کی حکمت عملی سے بھی بنو قریظہ اور حملہ آور قبائل کے درمیان بداعتمادی پیدا ہو گئی۔ طویل محاصرے کے بعد اچانک خوفناک آندھی نے بھی اپنا رنگ دکھایا۔ اس پر مستزاد فرشتوں کے لشکروں کی دہشت تھی جس کی کیفیت کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس سب کچھ کا نتیجہ یہ نکلا کہ عرب کی تاریخ کے سب سے بڑے لشکر کو اپنے

مقاصد حاصل کیے بغیر ناکام و نامراد لوٹنا پڑا —— آئندہ آیات میں محاصرے کے دوران کی صورتِ حال پر مزید تبصرہ کیا جا رہا ہے:

آیت ۱۰ ﴿اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ﴾ ''جب وہ (لشکر) آئے تم پر تمہارے اوپر سے بھی اور تمہارے نیچے سے بھی''

جزیرہ نمائے عرب کا جغرافیائی محلِ وقوع پہلے بھی کئی بار زیر بحث آ چکا ہے۔ اس میں شمالاً جنوباً حجاز کا طویل پہاڑی سلسلہ ہے۔ مکہ' طائف اور مدینہ حجاز ہی میں واقع ہیں' جبکہ اسی علاقے میں اوپر شمال کی طرف تبوک کا علاقہ ہے۔ اس پہاڑی سلسلے اور ساحل سمندر کے درمیان ایک وسیع میدان ہے جس کا نام تہامہ ہے۔ حجاز کے پہاڑی سلسلے اور تہامہ کے درمیان سطح مرتفع ہے جو اگرچہ پہاڑی علاقہ تو نہیں مگر میدانی سطح سے بلند ہے۔ اس علاقے میں بنوغطفان وغیرہ قبائل آباد تھے۔ اس لحاظ سے آیت زیر مطالعہ کے الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ مدینہ کے اوپر کی طرف سے بنوغطفان وغیرہ جبکہ نیچے تہامہ کی طرف سے قریش مکہ حملہ آور ہوئے تھے۔

﴿وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ﴾ ''اور جب (خوف کے مارے) نگاہیں پتھرا گئی تھیں اور دل حلق میں آ گئے تھے''

یہ اُس غیر معمولی کیفیت کا نقشہ ہے جب انتہائی خوف اور دہشت کی وجہ سے انسان کی آنکھیں حرکت کرنا بھول جاتی ہیں' اس کے دل کی دھڑکن غیر معمولی طور پر تیز ہو جاتی ہے اور اسے ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے اس کا دل اُچھل کر اب سینے سے باہر نکل جائے گا۔

﴿وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝۱۰﴾ ''اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔''

آیت ۱۱ ﴿هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝۱۱﴾ ''اُس وقت اہلِ ایمان کو خوب آزما لیا گیا اور وہ شدت کے ساتھ جھنجھوڑ ڈالے گئے۔''

اس شدید آزمائش کا نتیجہ یہ نکلا کہ منافقین کے اندر کا خبث ان کی زبانوں پر آ گیا۔

آیت ۱۲ ﴿وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۝۱۲﴾ ''اور جب کہہ رہے تھے منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا کہ نہیں وعدہ کیا تھا ہم سے اللہ اور اُس کے رسولؐ نے مگر دھوکے کا۔''

یعنی اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہم سے جو وعدے کیے تھے وہ محض فریب نکلے۔ ہمیں تو انہوں نے سبز باغ دکھا کر مروا دیا۔ ہم سے تو کہا گیا تھا کہ اللہ کی مدد تمہارے شامل حال رہے گی اور قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں تمہارے قدموں میں ڈھیر ہو جائیں گی' مگر اس کے برعکس آج ہماری حالت یہ ہے کہ ہم قضائے حاجت کے لیے بھی باہر نکلنے سے عاجز ہیں۔ ظاہر ہے اس دور میں آج کل کی طرز کے بیت الخلاء تو تھے نہیں' چنانچہ محاصرے کے دوران اس نوعیت کے جو مسائل پیدا ہوئے ان پر منافقین نے خوب واویلا مچایا۔

آیت ۱۳ ﴿وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ﴾ ''اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ اے اہلِ یثرب! اب تمہارا کوئی ٹھکانہ نہیں' چنانچہ تم لوٹ جاؤ!''

کہ اب تمہارے بچنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ خندق کے سامنے اتنے بڑے لشکر کے مقابلے میں تم کیسے ٹھہر سکو گے؟ چنانچہ تم اپنی جانیں بچانے کی فکر کرو اور شہر کی طرف پلٹ چلو۔

﴿وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۭ﴾ ''اور ان میں سے ایک گروہ نبیؐ سے اجازت طلب کر رہا تھا' وہ کہہ رہے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔''

محاصرے کے دوران شہر کی صورت حال کچھ یوں تھی کہ حملہ آوروں کے مقابلے کے لیے تمام مرد شہر سے باہر ایک جگہ پر اکٹھے تھے۔ حضور ﷺ نے عورتوں اور بچوں کی حفاظت کا یہ انتظام فرمایا تھا کہ انہیں مدینہ کے وسطی علاقے میں ایک بڑی حویلی کے اندر جمع کر کے وہاں پہرے وغیرہ کا بندوبست فرما دیا تھا۔ جب بنوقریظہ کی طرف سے عہد شکنی کی خبریں آئیں تو اس یہودی قبیلہ کی طرف سے عورتوں اور بچوں پر حملے کا خدشہ پیدا ہو گیا۔ اس صورت حال میں منافقین بار بار آ کر حضور ﷺ سے اس بہانے واپس اپنے گھروں کو جانے کی اجازت مانگتے تھے کہ اب ان کے گھر غیر محفوظ ہو گئے ہیں اور ان کے اہل و عیال کی جانوں کو شدید خطرہ لاحق ہے۔

﴿وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ﴾ ''حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں تھے۔''

اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے ان کے اہل و عیال کی حفاظت کا مناسب بندوبست کیا گیا تھا اور بظاہر انہیں کوئی خطرہ درپیش نہیں تھا۔

﴿اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ۝۱۳﴾ ''حقیقت میں وہ کچھ نہیں چاہتے تھے سوائے

فرار کے۔‘‘

ان کی ایسی باتوں کی اصلیت کچھ نہیں تھی۔ اصل میں وہ جنگ سے بھاگنے کے بہانے تلاش کر رہے تھے۔

آیت ۱۴ ﴿وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا﴾ ’’اور اگر کہیں ان پر دشمن گھس آئے ہوتے مدینہ کے اطراف سے‘ پھر ان سے مطالبہ کیا جاتا فتنے (ارتداد) کا‘ تو وہ اسے قبول کر لیتے‘‘

اگر خدانخواستہ کفار و مشرکین کے لشکر واقعی مدینہ میں داخل ہو جاتے اور وہ ان منافقین کو علانیہ ارتداد اور مسلمانوں سے جنگ کی دعوت دیتے تو ایسی صورتِ حال میں یہ لوگ بلا تردّد ان کی بات مان لیتے۔

﴿وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا﴾ ’’اور اس میں بالکل توقف نہ کرتے مگر تھوڑا سا۔‘‘

چونکہ ایمان ابھی ان کے دلوں میں راسخ ہوا ہی نہیں تھا‘ اس لیے جونہی انہیں ایمان کے دعوے سے پھرنے کا موقع ملتا وہ فوراً ہی اللہ اور اس کے رسولؐ سے بریٔ الذمہ ہونے کا اعلان کر دیتے۔

آیت ۱۵ ﴿وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ﴾ ’’حالانکہ اس سے قبل وہ اللہ سے وعدہ کر چکے تھے کہ وہ کبھی پیٹھ نہیں دکھائیں گے۔‘‘

اس سے پہلے وہ بحیثیت مسلمان اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ وہ باطل کے مقابلے میں ثابت قدم رہیں گے۔

﴿وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا﴾ ’’اور اللہ سے کیے گئے عہد کی باز پرس تو ہونی ہے۔‘‘

آیت ۱۶ ﴿قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ﴾ ’’(اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ تمہارا یہ بھاگنا تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا‘ اگر تم لوگ موت یا قتل سے بھاگ رہے ہو‘‘

موت سے بھلا کوئی کیسے بھاگ سکتا ہے؟ موت تو ہر جگہ اپنے شکار کا پیچھا کر سکتی ہے۔

﴿وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ ’’اور (اگر بھاگو گے) تب بھی تم (زندگی کے ساز و سامان سے) فائدہ نہیں اٹھا سکو گے مگر تھوڑا سا۔‘‘

اگر وقتی طور پر کوئی شخص ایک جگہ سے بھاگ کر اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو بھی جائے تو بھی وہ ہمیشہ کے لیے محفوظ تو نہیں ہو سکتا۔ اس کی یہ کوشش اسے اس سے زیادہ بھلا کیا فائدہ پہنچا سکتی ہے کہ کچھ عرصہ وہ مزید جی لے گا۔ آخر ایک نہ ایک دن تو اسے موت کے منہ میں جانا ہی ہے۔ وہ دنیا کی زندگی کا بس اسی قدر لطف اٹھا سکتا ہے جتنا اس کے لیے مقدر ہے۔

آیت ۱۷ ﴿قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً﴾ ’’آپؐ کہیے کہ کون ہے وہ جو تمہیں اللہ سے بچا سکتا ہے اگر وہ ارادہ کرے تمہارے ساتھ نقصان کا؟ یا (اُس کی رحمت کو روک سکتا ہے) اگر وہ ارادہ کرے تمہارے ساتھ رحمت کا؟‘‘

وہ تمہارے ساتھ جیسا بھی معاملہ کرنا چاہے کوئی اس کے آڑے نہیں آ سکتا۔

﴿وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا﴾ ’’اور یہ لوگ نہیں پائیں گے اپنے لیے اللہ کے مقابلے میں کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔‘‘

آیت ۱۸ ﴿قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ﴾ ’’اللہ خوب جانتا ہے تم میں سے ان لوگوں کو جو روکنے والے ہیں‘‘

جیسا کہ قبل ازیں وضاحت کی جا چکی ہے کہ مدینہ کی دو اطراف تو قدرتی رکاوٹوں کی وجہ سے محفوظ تھیں‘ جبکہ عقب میں بنو قریظہ کی گڑھیاں تھیں اور جب تک انہوں نے معاہدے کی اعلانیہ خلاف ورزی نہیں کی تھی تب تک ان کی طرف سے بھی بظاہر کوئی خطرہ نہیں تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کی اکثریت حملہ آور لشکر کے سامنے خندق کی اندرونی جانب مورچہ بند تھی اور جنگ کا اصل محاذ وہی مقام تھا۔ منافقین نہ صرف خود اس محاذ کی طرف جانے سے کتراتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی روکتے تھے کہ اس طرف مت جاؤ۔

﴿وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا﴾ ’’اور اپنے بھائیوں سے یہ کہنے والے ہیں کہ ہماری طرف آ جاؤ!‘‘

وہ اپنے دوسرے بھائی بندوں کو بھی ناصحانہ انداز میں سمجھاتے تھے کہ ہمارے پاس آ جاؤ

اور ہماری طرح تم بھی اپنے گھروں میں چھپے رہو اور محاذ کی طرف مت جاؤ۔

﴿وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾﴾ ''اور وہ نہیں آتے جنگ کی طرف مگر بہت تھوڑی دیر کے لیے۔''

اگر وہ دکھاوے کے لیے محاذِ جنگ پر آتے بھی تھے تو حیلے بہانوں سے واپس جانے کی فکر میں رہتے تھے۔

آیت ۱۹ ﴿اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ﴾ ''(اے مسلمانو!) تمہارا ساتھ دینے میں یہ سخت بخیل ہیں۔''

﴿فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ﴾ ''تو جب خطرہ پیش آ جاتا ہے تو (اے نبی ﷺ!) آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف اس طرح تاک رہے ہوتے ہیں''

﴿تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ﴾ ''کہ ان کی آنکھیں گردش کرتی ہیں اُس شخص کی (آنکھوں کی) طرح جس پر موت کی غشی طاری ہو۔''

اللہ کے راستے میں جہاد کی خبر سنتے ہی انہیں اپنی جان کے لالے پڑ جاتے ہیں اور خطرات کے اندیشوں کی وجہ سے ان پر نزع کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

﴿فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ﴾ ''پھر جب خطرہ جاتا رہتا ہے تو وہ تم لوگوں پر چڑھ دوڑتے ہیں اپنی تیز زبانوں سے''

سَلَقَ یَسْلُقُ سَلْقًا کے معنی ہیں کسی پر ہاتھ یا زبان سے حملہ آور ہونا۔ فقرے کا لغوی مفہوم یہ ہے کہ وہ لوگ آپؐ پر حملہ آور ہوتے ہیں اپنی لوہے کی زبانوں سے۔ یہ گویا محاورہ کا اسلوب ہے، جیسے اردو میں ''قینچی کی طرح زبان کا چلنا'' ایک محاورہ ہے۔ خطرہ گزر جانے کے بعد ان کی زبانیں آپ لوگوں کے سامنے قینچی کی طرح چلنے لگ جاتی ہیں اور یہ اپنے ایمان کا اظہار اور مسلمانوں پر تنقید کرنے لگ جاتے ہیں۔

﴿اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۭ﴾ ''لالچ کرتے ہوئے مال پر۔''

ان کی خواہش ہوتی ہے کہ سارا مالِ غنیمت انہیں ہی مل جائے۔

﴿اُولٰۗىِٕكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ۭ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جو حقیقت میں

ایمان نہیں لائے تو اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیے۔''

﴿وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۹﴾﴾ ''اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔''

یہ لوگ زبان سے ایمان کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن دل سے ہرگز ایمان نہیں لائے۔ انہوں نے اس حالت میں جو بھی نیک اعمال کیے ہیں ان کی انہیں کوئی جزا نہیں ملے گی۔ ظاہر ہے یہ لوگ ایمان کے دعوے کے ساتھ نمازیں بھی پڑھتے تھے اور وہ بھی مسجد نبویؐ کے اندر رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں۔ لیکن ان کے یہ سارے اعمال ضائع ہو چکے ہیں، کیونکہ منافقت کی کیفیت میں کیا گیا نیکی اور بھلائی کا کوئی عمل بھی اللہ کے ہاں قابلِ قبول نہیں۔

آیت ۲۰ ﴿يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ﴾ ''وہ لشکروں کے بارے میں سمجھتے ہیں کہ ابھی وہ گئے نہیں ہیں۔''

اگرچہ کفار کے تمام لشکر واپس جا چکے ہیں مگر ان پر ایسا خوف طاری ہے کہ انہیں یقین ہی نہیں آتا کہ وہ چلے گئے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ لشکر کسی حکمت عملی کے تحت تھوڑی دیر کے لیے منظر سے اوجھل ہوئے ہیں اور پھر کچھ ہی دیر کے بعد وہ دوبارہ آ جائیں گے۔ جیسے کسی خوفناک حادثے کی دہشت دیر تک ایک شخص کے اعصاب پر سوار رہتی ہے اسی طرح ان کے اعصاب پر ابھی تک ان لشکروں کا خوف مسلط ہے۔

﴿وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَاۗىِٕكُمْ ۭ﴾ ''اور اگر لشکر (دوبارہ) حملہ آور ہو جائیں تو ان کی خواہش ہوگی کہ وہ بدوؤں کے ساتھ صحرا میں رہ رہے ہوتے (اور وہیں سے) تمہاری خبریں معلوم کرتے رہتے۔''

ایسی صورت میں یہ لوگ خواہش کریں گے کہ کاش وہ لوگ مدینہ کو چھوڑ کر ریگستان میں چلے گئے ہوتے، وہاں اہل بدو کے درمیان محفوظ جگہ پر پناہ لیے ہوئے مدینہ کی خبریں پوچھتے رہتے کہ جنگ کا اونٹ کس کروٹ بیٹھا ہے۔

﴿وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲۰﴾﴾ ''اور اگر وہ تمہارے درمیان رہتے تو قتال نہ کرتے مگر بہت ہی تھوڑا۔''

اگر وہ لوگ تمہارے درمیان موجود بھی ہوتے تو کسی نہ کسی بہانے جنگ سے جان چھڑا ہی لیتے اور کبھی کبھار محض دکھانے کے لیے کسی مہم میں بادلِ نخواستہ برائے نام حصہ لے لیتے۔

❁❁❁

سلسلہ وار دروسِ قرآن (۱)

تعارفِ قرآن

شجاع الدین شیخ ☆

قرآن حکیم انسانیت کے نام اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے۔ الحمدللہ، ہم مسلمان ہیں اور قرآن حکیم پر ایمان رکھتے ہیں اور اسے ذریعہ نجات سمجھتے ہیں، مگر قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ ہماری عظیم اکثریت نے اپنی زبان میں قرآن حکیم کا ترجمہ ایک مرتبہ بھی نہیں پڑھا اور ہمیں یہ نہیں معلوم کہ قرآن حکیم ہم سے کیا چاہتا ہے۔

''تعارفِ قرآن'' کے عنوان سے آپ کے سامنے ۱۳ سوالات رکھے جائیں گے اور ان کے جوابات کی روشنی میں ہمارے سامنے قرآن حکیم کا ایک بنیادی تعارف آجائے گا۔

پہلا سوال: قرآن حکیم کیا ہے؟ قرآن حکیم کو اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام قرار دیا ہے۔ سورۃ التوبہ (آیت ۶) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ﴾ ''اگر کوئی مشرک تم سے پناہ کا طلب گار ہو تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے''۔ ہمارا ایمان ہے کہ جس قرآن کی آج ہم تلاوت کرتے ہیں، یہ انہی الفاظ میں ہے جو اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے محمد رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمائے تھے۔

دوسرا سوال: قرآن مجید کی عظمت کا کیا مقام ہے؟ قرآن کی عظمت کے لیے یہی کافی ہے کہ یہ اُس ذاتِ باری تعالیٰ کا کلام ہے جو پوری کائنات کا خالق و مالک اور حاکم ہے۔ عظمتِ قرآن کے سلسلے میں ایک اہم نکتہ جو ہمارے سامنے آتا ہے اسے بھی سمجھ لینا ضروری ہے کہ اس کی بھی وہی تاثیر ہے جو تجلّیٔ ذاتِ باری تعالیٰ کی ہے۔ سورۃ الحشر کی آیت ۲۱ میں اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے: ﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل فرماتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے

☆ امیر تنظیم اسلامی حلقہ کراچی شمالی

پھٹ جاتا اور ریزہ ریزہ ہو جاتا''۔ یہ قرآن کریم کی عظمت پر عظیم ترین آیت ہے۔ یہی وہ بات ہے جو سورۃ الاعراف کی آیت ۱۴۳ میں ہمارے سامنے آتی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ ربّ العزت کے سامنے درخواست کی کہ میں آپ کا دیدار کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس دنیا میں تو یہ ممکن نہیں، البتہ ہم اپنی تجلّی اس پہاڑ پر ڈالتے ہیں، اگر پہاڑ نے اسے برداشت کر لیا تو تم مجھے دیکھ لینا۔ ﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ﴾ ''تو جب اُس کے رب نے اپنی تجلّی ڈالی پہاڑ پر تو کر دیا اس کو ریزہ ریزہ اور موسیٰؑ گر پڑے بے ہوش ہو کر''۔ گویا قرآن حکیم پہاڑوں کو ہلا دینے والا اور ریزہ ریزہ کر دینے والا کلام ہے۔

اس دوسرے سوال کے تسلسل میں، میں آپ کے سامنے ایک اور بات رکھنا چاہوں گا، وہ یہ کہ قرآن حکیم، صاحبِ قرآن حضرت محمد ﷺ کا ایک ایسا معجزہ ہے جس کا مقابلہ بندوں کا کلام نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بار بار چیلنج کرنے ـــــ قرآن جیسا کوئی کلام لے آؤ، چلو پورا قرآن نہ سہی، دس سورتیں ہی لے آؤ یا کم از کم ایک ہی سورت لے آؤ ـــــ کے باوجود کوئی اس چیلنج کو قبول نہیں کر سکا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کا کلام، نبی اکرم ﷺ کا زندہ معجزہ ہے۔

عظمتِ قرآن پر سورۃ الرحمٰن کی ابتدائی چار آیات قرآن حکیم کا ایک اہم مقام ہے۔ ارشاد ہوا: ﴿اَلرَّحْمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ﴿۲﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ؕ﴿۴﴾﴾ ''رحمٰن نے قرآن سکھایا، اُسی نے انسان کو بنایا، پھر اسے بیان کرنے کی صلاحیت عطا فرمائی''۔ ان چار آیات میں چار بہترین باتوں کا ذکر آیا ہے۔ پہلی بات یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں ہم انسانوں کے لیے بہترین صفت رحمٰن ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی صورت میں دکھائی دیتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم سکھایا۔ سارے علوم انسانوں کو اللہ تعالیٰ ہی نے سکھائے ہیں، لیکن ان علوم میں سے چوٹی کا علم قرآن کا علم ہے۔ تیسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا۔ ساری مخلوقات اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمائی ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا شاہکار انسان ہے۔ چوتھی بات یہ کہ اسے بیان کی صلاحیت عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات کو مختلف صلاحیتوں سے نوازا ہے، لیکن ان میں سے بہترین صلاحیت بولنے کی ہے، جو صرف انسان کو عطا فرمائی ہے۔ وہ اللہ جس نے

اپنی رحمانیت کے طفیل‘ بہترین مخلوق یعنی انسان کو بہترین علم یعنی قرآن عطا فرمایا‘ اسے چاہئے کہ اپنی اس بہترین صلاحیت (بیان) کو اللہ ربّ العزت کے کلام کے لیے استعمال کرے۔ بخاری شریف کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ)) (صحیح البخاری‘ عن عثمان بن عفان ؓ) ’’تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھتے اور سکھاتے ہیں‘‘۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس حدیث مبارکہ کا مصداق بننے کی توفیق عطا فرمائے۔

قرآن کی عظمت کے حوالے سے میں آپ کے سامنے رسول اکرم ﷺ کے چار جملے رکھ رہا ہوں جو بہت ہی قیمتی ہیں۔ سنن ترمذی میں مذکور ایک طویل حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ قَالَ بِهٖ صَدَقَ، وَمَنْ عَمِلَ بِهٖ أُجِرَ، وَمَنْ حَكَمَ بِهٖ عَدَلَ، وَمَنْ دَعَا إِلَيْهِ هُدِيَ إِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ)) (سنن الترمذی‘ ابواب فضائل القرآن‘ باب ماجاء فی فضل القرآن)

’’جس نے اس قرآن کے مطابق بات کی اُس نے سچ کہا‘ جس نے اس پر عمل کیا اس کا اجر محفوظ ہوگیا‘ جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اُس نے عدل کیا‘ اور جس نے اس کی طرف لوگوں کو بلایا اسے سیدھے راستے کی ہدایت عطا کر دی گئی۔‘‘

تیسرا سوال: قرآن حکیم کیوں نازل ہوا؟ قرآنِ حکیم نوعِ انسانی کی روحانی ضرورت پوری کرنے یعنی اس کے لیے ہدایت کے طور پر نازل ہوا ہے۔ قرآن کی تلاوت سے ثواب بھی ملتا ہے اور اس کے ایک حرف کی تلاوت پر دس نیکیاں ملتی ہیں خواہ کوئی اس کی بغیر سمجھے تلاوت کرے۔ یہ حضور ﷺ کے ارشادِ گرامی کا حاصل ہے جو جامع ترمذی میں نقل کیا گیا ہے‘ مگر بنیادی طور پر قرآن مجید ہدایت کی کتاب ہے اور ہماری روح کی ضرورت بھی یہی ہے کہ اسے ہدایت حاصل ہو‘ تاکہ اس کے مطابق عمل کر کے ہم اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر سکیں۔ قرآن کریم ہمارے سامنے اپنا یہی تعارف پیش کرتا ہے۔ کہیں فرمایا کہ یہ متقین کے لیے ہدایت ہے‘ کہیں فرمایا کہ یہ تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے‘ کہیں فرمایا کہ یہ سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے‘ کہیں فرمایا کہ اللہ تمہیں اپنی آیات عطا فرماتا ہے تاکہ تمہیں گمراہیوں کے اندھیرے سے نکال کر ہدایت کی روشنی کی طرف لے جائے۔ پھر یہی دعا ہم نماز کی ہر رکعت میں کرتے ہیں کہ

اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت فرما۔ لہٰذا ہمیں قرآن کی تلاوت محض حصولِ ثواب اور ایصالِ ثواب کے لیے ہی نہیں کرنی چاہیے‘ بلکہ حصولِ ہدایت بھی ہمارے پیش نظر رہنی چاہیے جو نزولِ قرآن کا اصل مقصد ہے۔

چوتھا سوال: قرآن حکیم کب نازل ہوا؟ قرآن حکیم دو مراحل میں نازل ہوا۔ پہلے مرحلے میں قرآن حکیم لیلۃ القدر میں لوحِ محفوظ سے سمائے دنیا پر بیک وقت نازل ہوا‘ اسے قرآنی اصطلاح میں ’’انزال‘‘ کہتے ہیں۔ دوسرے مرحلے میں سمائے دنیا سے حضور اکرم ﷺ کے قلبِ مبارک پر وقفے وقفے سے ساڑھے ۲۳ برس میں نازل ہوا‘ اسے ’’تنزیل‘‘ کہتے ہیں۔

پانچواں سوال: قرآن حکیم کہاں نازل ہوا؟ قرآن کریم حجاز کے علاقے یعنی مکہ معظمہ‘ مدینہ منورہ اور اس کے اطراف میں نازل ہوا‘ البتہ سورۃ البقرہ کی آخری دو آیات نبی اکرم ﷺ کو شبِ معراج کے موقع پر تحفے کے طور پر آسمان پر عطا کی گئیں۔

چھٹا سوال: قرآن حکیم کیسے نازل ہوا؟ قرآن حکیم کا نزول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے قلبِ مبارک پر حضرت جبرائیل علیہ السلام کے توسط سے ہوا۔ سورۃ البقرہ کی آیت ۹۷ میں ارشاد ہوا: ﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے جو کوئی بھی دشمن ہو جبرائیلؑ کا‘ تو (وہ یہ جان لے کہ) اُس نے تو نازل کیا ہے اس قرآن کو آپؐ کے دل پر اللہ کے حکم سے۔‘‘

ساتواں سوال: قرآن حکیم کے کتنے نام ہیں؟ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب ’’الاتقان فی علوم القرآن‘‘ میں قرآن حکیم کے ۵۵ نام گنوائے ہیں۔ یہ نام قرآن حکیم میں بھی آتے ہیں اور حدیث مبارکہ میں بھی۔ چند نام یہ ہیں: القرآن، المصحف، الکتاب، الفرقان، الھدیٰ، النور، الموعظۃ، الذکر، المھیمن، الحکیم، العزیز، المبین، علیّ، الکریم، المجید، احسن الحدیث۔

آٹھواں سوال: قرآن حکیم کس زبان میں نازل ہوا؟ سادہ سا جواب یہ ہے کہ عربی زبان میں نازل ہوا‘ لیکن اس میں ایک نکتہ کے اضافے کی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ یہ دیہات کی خالص عربی زبان میں نازل ہوا۔ اس زمانے میں ’’عربی مبین‘‘ جسے ’’لغۃ فصحۃ‘‘ کہا جاتا ہے‘ دیہاتوں میں بولی جاتی تھی۔ عربوں کو اپنی زبان پر بڑا ناز تھا‘ اس لیے کہ عربی بڑی وسیع‘

بڑی جامع اور بڑی فصیح زبان ہے۔عرب اپنے بچوں کو خالص زبان سکھانے کے لیے دیہات والوں کے حوالے کرتے تھے۔نبی اکرم ﷺ کو بھی دودھ پلانے کے لیے بی بی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے حوالے کیا گیا تھا جو ایک دیہات سے آئی تھیں۔سورۃ الشعراء کی آیت ۱۹۵ میں فرمایا گیا: ﴿بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾﴾ ''(یہ نازل ہوا ہے) واضح عربی زبان میں''۔الحمدللہ جب قرآن حکیم کا نزول مکمل ہوا تو عربی مبین بھی وہاں پر intact ہوگئی۔دنیا کی زبانیں تو بدلتی رہتی ہیں اور بولی جانے والی عربی آج بھی مختلف ہے' لیکن قرآنی عربی کو محفوظ کر دیا گیا ہے۔

نواں سوال: قرآن حکیم کا اسلوب کیا ہے؟ قرآن حکیم کا اسلوب تقریری ہے۔اس کا اسلوب نہ نثر کا ہے اور نہ شاعرانہ۔اللہ تعالیٰ نے تو شاعری کی مکمل طور پر نفی فرما دی۔سورۂ یٰسین میں فرمایا: ﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶۹﴾﴾ ''اور ہم نے ان کو شعر نہیں سکھایا اور نہ ہی یہ ان کے شایانِ شان ہے۔یہ تو بس ایک یاددہانی اور نہایت واضح قرآن ہے''۔مزید یہ کہ قرآن حکیم کی ہر سورت گویا اللہ تعالیٰ کا ایک خطبہ ہے اور خطبے میں ایک خطیب کے جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔کبھی سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں سے گفتگو ہوتی ہے تو کبھی غائب کے بارے میں' اور کبھی خطیب اپنا ذکر کرتا ہے۔پھر خطبے میں آواز کا اتار چڑھاؤ بھی ہوتا ہے' جذبات کی ترجمانی بھی ہوا کرتی ہے۔کبھی ایک اور کبھی دوسری دلیل پیش کی جاتی ہے۔خطبے کا آغاز اور اختتام بہت جاندار ہوتا ہے اور درمیان میں تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

دسواں سوال: قرآن حکیم کی تدوین کس طرح ہوئی؟ قرآن حکیم کی ترتیب دو اعتبارات سے ہے۔ترتیب نزولی کے اعتبار سے پہلی سورت' سورۃ العلق ہے۔وہ پہلی پانچ آیات جو نبی اکرم ﷺ کو عطا کی گئیں' اس سورت کی ابتدائی آیات ہیں' جبکہ ترتیب تلاوت کے اعتبار سے پہلی سورت' سورۃ الفاتحہ ہے۔

گیارھواں سوال: قرآن حکیم کی ترکیب وتقسیم کیا ہے؟ قرآن کریم کی آیات کی تعداد ۶۲۳۶ ہے۔ایک تعداد جو مشہور کر دی گئی ہے وہ ۶۶۶۶ ہے' جو درست نہیں ہے۔سورتوں کی تعداد ۱۱۴ ہے' جبکہ منازل یا احزاب کی تعداد سات ہے۔منازل کی تقسیم کا مقصد یہ تھا کہ کم از کم ایک ہفتے میں قرآن کی تلاوت مکمل ہو جائے۔یہ تقسیم دورِ نبوی ﷺ میں ہو گئی تھی۔اس حوالے سے ایک نکتہ مزید سمجھ لیجیے۔رسول اللہ ﷺ کے دور میں حضرت جبرائیل علیہ السلام قرآن لا رہے تھے

اور حضور ﷺ کے حافظے میں محفوظ ہو رہا تھا۔گویا قرآن حکیم کے پہلے حافظ خود رسول اکرم ﷺ تھے اور بعد میں آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو حفظ کروایا۔آپ ﷺ قرآن کو لکھواتے بھی تھے اور یہ بھی بتاتے تھے کہ کون سی سورت کو کس مقام پر لکھنا ہے اور کس آیت کو کس سورت میں کہاں رکھنا ہے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں قرآن حکیم کو کتابی شکل میں مرتب کیا گیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں اُمت کو قرآن کے ایک رسم الخط پر جمع کر دیا گیا' جو ''رسمِ عثمانی'' کہلاتا ہے۔

اس کے بعد کے زمانے میں رکوعوں کے اعتبار سے ایک اور تقسیم ہوئی۔رکوعوں کی تعداد ۵۵۸ ہے۔اس اعتبار سے بھی ایک غلط تعداد ۵۴۰ مشہور کر دی گئی' جو درست نہیں ہے۔رکوعوں میں تقسیم کا مقصد یہ تھا کہ ایک رکوع میں چند وہ آیات جن میں بات مکمل ہو جائے' جمع کر دی جائیں۔مزید برآں قرآن حکیم کو تیس پاروں میں تقسیم کیا گیا ہے۔اس کا مقصد یہ تھا کہ ایک مہینے میں قرآن حکیم کی تلاوت مکمل ہو جائے۔رکوعوں اور پاروں کی تقسیم صحابہ کرامؓ کے بعد کی ہے۔

بارھواں سوال: قرآن حکیم کے فہم سے کیا مراد ہے؟ یہ ایک بہت اہم سوال ہے اس تناظر میں کہ قرآن حکیم ہدایت کی کتاب ہے جسے ہم نے ثواب کی کتاب سمجھ لیا ہے۔بچیوں کو جہیز میں دینے کے علاوہ دکانوں میں اور میڈیا میں برکت کے لیے قرآن کی تلاوت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔رمضان میں ہم قرآن کھولتے ہیں اور پھر بند کر دیتے ہیں۔کسی کے انتقال کے وقت ہم سورۂ یٰسین کی تلاوت کر لیتے ہیں' حالانکہ قرآن زندہ کلام ہے اور یہ زندوں کے لیے ہے۔

قرآن کے فہم کے بارے میں چند باتیں گوش گزار کرنا چاہوں گا۔سب سے پہلی بات قرآن کے تذکر اور اس پر تدبّر کے حوالے سے ہے۔سورۂ صٓ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾﴾ ''(اے نبی ﷺ!) یہ کتاب جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے بہت بابرکت ہے تاکہ وہ اس کی آیات پر تدبّر کریں اور ہوش مند لوگ اس سے سبق حاصل کریں''۔قرآن تدبّر بھی ہے' یعنی غور وفکر کی دعوت دے رہا ہے اور تذکر بھی ہے' یعنی نصیحت حاصل کرنے کا پیغام بھی قرآن ہمیں دے رہا ہے۔آیئے ان دو اصطلاحات کو مزید سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

''تذکر'' کے معنی ہیں: یاددہانی حاصل کرنا یا نصیحت اخذ کرنا۔حقیقت ومقصدِ زندگی کے

بارے میں یاددہانی اور نصیحت اس بات کی کہ میرے رب نے مجھے زمین پر بھیجا تو مجھے کس طرح زندگی بسر کرنی ہے۔ تمام انسانیت کے لیے یہ قرآن کا سادہ اور بنیادی پیغام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کی عام دعوت ہے۔ قرآن کی مشہور آیت ہے جو سورۃ القمر میں چار مرتبہ آئی ہے: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝﴾ ''اور ہم نے قرآن کو آسان کر دیا ہے نصیحت اخذ کرنے کے لیے، تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا!'' گویا بنیادی ہدایت کے حصول کے لیے قرآن حکیم سب کے لیے آسان ہے۔

قرآن حکیم کے فہم کا ایک اور پہلو ''تدبّر'' ہے۔ تدبّر کے معنی گہرے غور و فکر کے ہیں۔ قرآن حکیم کی گہرائیوں میں اُتر کر علم و حکمت کے موتی تلاش کرنا، جدید مسائل کا حل تلاش کرنا اور فقہی احکامات کا استنباط کرنا ''تدبّر'' کہلاتا ہے۔ اس سطح کا فہم حاصل کرنے کے لیے زندگیاں وقف کرنی پڑتی ہیں —— خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تذکّر و تدبّر ہر دونوں سطحوں پر کام ہونا چاہیے۔

فہمِ قرآن کے چند اور بھی پہلو ہیں، جو مختصراً ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں:

۱) **محکم اور متشابہ آیات**: سورۂ آلِ عمران کی آیت ۷ کے مطابق قرآن میں کچھ آیات بہت محکم یعنی واضح ہیں۔ ان میں اکثر احکامات کا بیان ہے۔ ان پر ایمان بھی رکھنا ہے اور عمل بھی کرنا ہے۔ اسی طرح قرآن پاک میں کچھ آیات متشابہ بھی ہیں جن کے معنی واضح نہیں ہیں، مثلاً اللہ کی کرسی، اللہ کا ہاتھ، حروفِ مقطعات وغیرہ۔ اس قسم کی آیات کے معنوں میں ہمیں زیادہ کھوج کرید نہیں کرنی چاہیے۔

۲) **تاویلِ خاص اور تاویلِ عام**: قرآن کی بہت ساری آیات مخصوص پس منظر میں نازل ہوئی ہیں، اس پس منظر کے تناظر میں انہیں سمجھنا تاویل خاص ہے۔ لیکن قرآن مجید ہر دور کے لیے رہنمائی کرتا ہے —— سورۃ الانبیاء کی آیت ۱۰ میں فرمایا: ﴿لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ﴾ ''(اے لوگو!) اب ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب نازل کر دی ہے، اس میں تمہارا ذکر موجود ہے'' —— تو آج کے لیے قرآن سے رہنمائی اخذ کرنا تاویل عام ہے۔

۳) **عقائد اور اوامر و نواہی کا فہم**: دین اسلام، رسول اللہ ﷺ پر مکمل ہو گیا۔ چنانچہ عقائد کے معاملے میں ہمیں پیچھے سے پیچھے جانا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رہنمائی

حاصل کی جائے تو عقائد واضح ہو جائیں گے۔

۴) **سائنسی حقائق کا فہم**: دورِ جدید میں ریسرچ کے نتیجے میں حکمت کے بہت سے گوشے کھل رہے ہیں۔ قرآن اگرچہ سائنس کی کتاب نہیں ہے، لیکن سائنسی حقائق کے بارے میں اس میں اشارات موجود ہیں، جیسے بگ بین اور بلیک ہولز کی طرف اشارہ قرآن میں موجود ہے۔ چنانچہ جدید دور کی تحقیقات سے فائدہ اٹھا کر ان حقائق کو جن کی طرف قرآن نے اشارے کیے، سمجھ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۵) **قرآن کریم کا اصل فہم**: قرآن حکیم ایک انقلابی کتاب ہے اور یہ حضور اکرم ﷺ کی انقلابی جِدّوجُہد کے دوران نازل ہوئی۔ طائف اور اُحد کے میدان، رسول اللہ ﷺ کا بہتا ہوا خون اور ۲۵۹ صحابہ کی جانوں کے نذرانے، یہ ۲۳ سالوں کی جدوجہد کے سنگہائے میل ہیں جن کے نتیجے میں دین غالب ہوا۔ جب تک اس جدوجہد کی تفصیلات سامنے نہ ہوں جن کے دوران قرآن نازل ہوا، قرآن کے حقائق ہم پر واضح نہیں ہوں گے اور ہم قرآن کا اصل فہم حاصل نہیں کر پائیں گے۔

تیرھواں سوال: قرآن مجید کے مسلمانوں پر کیا حقوق ہیں؟ مختصراً یہ کہ پانچ حقوق ہیں:

۱) ایمان و تعظیم یعنی دل کی گہرائیوں سے ماننا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔
۲) تلاوت و ترتیل یعنی آداب کے ساتھ روزانہ قرآن کریم پڑھنا۔
۳) تذکّر و تدبّر یعنی قرآن کو سمجھنا اور اس پر غور و فکر کرنا۔
۴) حکم و اقامت یعنی قرآن حکیم کے احکامات پر انفرادی زندگی میں عمل کرنا اور اجتماعی زندگی میں ان کے نفاذ کی کوشش کرنا۔
۵) تبلیغ و تبیین یعنی قرآن کی تعلیمات کو دوسروں تک پہنچانا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن حکیم کے حقوق کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

❁❁❁

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت و تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

بہار ہے کہ خزاں!

جمیل الرحمٰن عباسی

موسم سرما جلوہ افروز ہے۔ ہمارے موسموں کو دیکھنے کے انداز مختلف ہیں۔ سردی میں بعض عوام بیچارے کپڑوں کو سوچتے' لنڈے کھوجتے ہیں۔ خواتین کو فراہمیٔ گیس کی چنتا ستاتی ہے تو ڈرائیور حضرات کو سی این جی کے لالے پڑتے ہیں۔ شاعر حضرات موسم کا تأثر کسی اور انداز میں لیتے ہیں۔ بعض کو ''یونہی موسم کی ادا دیکھ کے یاد آیا'' کہ انسان کس سرعت سے بدلتا ہے۔ بعض روتے روتے چیخ اُٹھے کہ ''اُس نے دور ہونا تھا بارشوں کے موسم میں؟'' اور بعض اِس طرح کے کام کرنے والے' خود کو یوں ملامت کرتے ہیں ''کیوں اداس پھرتے ہو سردیوں کی شاموں میں؟'' اور بعض ایسے درویش بھی ہوتے ہیں جو موسموں کے ظواہر و مظاہر سے قطع نظر اپنے اندر ایک موسم سجا لیتے ہیں:

نہ کوئی غم خزاں کا ہے نہ خواہش ہے بہاروں کی
ہمارے ساتھ ہے امجد کسی کی یاد کا موسم

انسان اگر حریم ذات سے نکل کر' دیوارِ جاں توڑ کر' اپنی ہستی کو ذرا بھول کر دیکھے تو ہجر و وصال کے پیچھے بہتیرے موسم اور بھی ہیں:

کتنے موسم سرگرداں تھے مجھ سے ہاتھ ملانے میں
میں نے شاید دیر لگا دی خود سے باہر آنے میں

اور عرشی بھوپالی کے بقول تو

موقوف فصلِ گل پہ نہیں رونقِ چمن
نظریں جوان ہوں تو خزاں بھی بہار ہے!

یہ تو موسم والوں کا معاملہ تھا۔ موسم والے' موسموں کو دیکھتے رہتے ہیں لیکن ''اللہ والے''

ہر موسم کے پیچھے ''موسم گر'' کو دیکھتے ہیں۔ چنانچہ اللہ والے موسموں کو ایک دوسرے ہی انداز سے دیکھتے ہیں۔ مثلاً بارش ہی کو لیں' اللہ کے نبی ﷺ جب اسے پاتے تو اپنے کپڑوں پہ لیتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا:

((لِأَنَّهُ حَدِيْثُ عَهْدٍ بِرَبِّهٖ تَعَالٰى))(۱)

''اس لیے کہ یہ اپنے رب تعالیٰ کے پاس سے ابھی ابھی آئی ہے۔''

چنانچہ دیکھنے والی آنکھ اور سوچنے والا دل اگر اللہ والا ہوگا تو وہ' موسم سرما ہو یا گرما' ہر ایک کو دوسری طرح سے دیکھے گا' جیسا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے دکھلایا:

((اِشْتَكَتِ النَّارُ اِلٰى رَبِّهَا، فَقَالَتْ: يَا رَبِّ اَكَلَ بَعْضِي بَعْضًا، فَجَعَلَ لَهَا نَفَسَيْنِ: نَفَسٌ فِي الشِّتَاءِ، وَنَفَسٌ فِي الصَّيْفِ، فَشِدَّةُ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الْبَرْدِ مِنْ زَمْهَرِيْرِهَا، وَشِدَّةُ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الْحَرِّ مِنْ سَمُوْمِهَا))(۲)

''دوزخ نے اپنے رب کو شکایت کی کہ اے ربّ! میرے حصوں نے خود ایک دوسرے کو کھانا شروع کر دیا ہے' تو اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو دو سانس بھرنے کی اجازت دے دی' ایک سانس گرمیوں میں اور ایک سانس سردیوں میں۔ پس تم جو سردی کی شدت پاتے ہو تو وہ دوزخ کے ٹھنڈے عذاب (زَمْهَرِیر) کی وجہ سے ہے اور جو تم گرمی کی شدت پاتے ہو وہ دوزخ کے گرم عذاب (سَمُوم) کے سبب سے ہے۔''

دیکھئے ہمارے پیغمبر علیہ السلام نے گرمی اور سردی دونوں میں دوزخ کو یاد کرا دیا۔ تو دوزخ میں عذاب گرمی کا بھی ہے اور سردی کا بھی اور دنیا کے موسم سرد بھی ہیں اور گرم بھی' پس دونوں موسموں میں دوزخ سے نجات اور جنت کی فوز و فلاح کے لیے محنت کرتے رہنے کی ضرورت ہے:

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں' لا الٰہ الا اللہ!

اللہ کے بہترین بندوں کی صفت بھی کچھ ایسی ہی بیان کی گئی کہ وہ:

((يُرَاعُوْنَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ وَالْأَظِلَّةَ لِذِكْرِ اللّٰهِ))(۳)

''وہ ذکر اللہ کی غرض سے' سورج' چاند تاروں اور سایوں کی مناسبت تلاش کرتے رہتے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے نمازِ ظہر کے تذکرے میں ارشاد فرمایا:

((اِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ فَاِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ))(۴)

''جب گرمی شدت اختیار کر جائے تو نماز کو ٹھنڈا کیا کرو' کیونکہ گرمی کی شدت دوزخ کی ہوا کے سبب ہے۔''

بیان تو گرمیوں کے موسم میں کسی قدر تاخیر ظہر کا ہے' لیکن اس میں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ آتش جہنم سے بچاؤ نماز اور دیگر اعمالِ صالحہ کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اسی لیے ایک صحابی ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ ﷺ سے جنت میں آپ ﷺ کا ساتھ ملنے کی دعا کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے دعا کے وعدے کے ساتھ فرمایا:

((فَاَعِنِّیْ عَلٰی نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ))(۵)

''پس تم (اس قبولیت دعا میں) اپنے نفس کے خلاف' کثرتِ سجود کے ذریعے میری مدد کرو۔''

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ سے مفصل بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا اور دن بھر آپ ﷺ کے کام کے لیے حاضر رہتا اور رات کو آپ ﷺ کے در پر پڑا رہتا۔ جب آپ ﷺ عشاء کی نماز پڑھ کر گھر تشریف لے جاتے تو میں آپ ﷺ کے دروازے پر اس خیال سے بیٹھ جاتا کہ شاید آپ ﷺ کو کوئی ضرورت پیش آجائے تو میں خدمت بجا لاؤں' لیکن مجھے رسول اللہ ﷺ کے ذکر کی آواز آنے لگتی' آپ ﷺ کہہ رہے ہوتے: سُبْحَانَ اللّٰهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ۔ آپ ﷺ اتنی دیر ذکر فرماتے رہتے کہ میں سنتے سنتے تھک کر واپس آجاتا یا میری آنکھ لگ جاتی اور وہیں سو جاتا۔ جب آپ ﷺ نے مجھے خدمت کا اس قدر شائق پایا تو ایک دن فرمانے لگے: ''اے ربیعہ! مجھ سے کوئی سوال کرو' میں اسے پورا کروں گا''۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ مجھے سوچنے کا موقع دیں' میں آپ کو بتاتا ہوں۔ پھر میں نے سوچا کہ دنیا تو ایک نہ ایک دن ختم ہونے والی ہے اور اس میں جو رزق مجھے ملنا ہے وہ لامحالہ مل کر رہے گا' اور اللہ کے نبی ﷺ کو بارگاہِ ربّ العزت میں جو بلند مقام ملا ہے اس کے لائق بھی یہی ہے کہ میں آخرت کا سوال کروں' پس مجھے آخرت مانگنی چاہیے۔ تب میں آپ ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے پوچھا: ''ربیعہ! تم نے کیا سوچا؟'' میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اپنے رب کی جناب میں سفارش کیجیے کہ مجھے دوزخ سے بچا لے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ربیعہ! تمہیں یہ

بات کس نے سکھلائی ہے؟'' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا' مجھے کسی نے نہیں بتایا بلکہ میں نے جب آپ ﷺ کے اس مقام و مرتبہ پر نظر کی جو آپ کو اللہ کی طرف سے ملا ہے تو سوچا کہ دنیا تو رہنے والی نہیں بلکہ اسے چھوڑنا ہی پڑے گا اور مقدر کا لکھا رزق بہرحال مل کر رہے گا تو میں نے آخرت مانگنے کا ارادہ کیا۔ نبی اکرم ﷺ بہت دیر تک خاموش رہے' پھر مجھ سے فرمایا:

((اِنِّیْ فَاعِلٌ فَاَعِنِّیْ عَلٰی نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ))(۶)

''بے شک میں تمہاری سفارش کرنے والا ہوں' البتہ تم اپنے نفس کے خلاف' کثرتِ سجود کے ذریعے میری مدد کرو۔''

اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے غلام سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے ایسا عمل بتا دیں جس سے خوش ہو کر اللہ مجھے جنت میں داخل کر دے۔ فرمایا:

((عَلَيْكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ لِلّٰهِ، فَاِنَّكَ لَا تَسْجُدُ لِلّٰهِ سَجْدَةً اِلَّا رَفَعَكَ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْكَ بِهَا خَطِيْئَةً))(۷)

''تم اللہ کے لیے سجدوں کی کثرت (یعنی نماز) کو خود پر لازم کر لو' پس بیشک تم اللہ کے لیے ایک سجدہ کرتے ہو تو اللہ اس کے ذریعے تمہیں رتبے میں ایک درجہ بلند کر دیتا ہے اور ایک تمہارا گناہ معاف فرما دیتا ہے۔''

معلوم ہوا کہ جنت کا داخلہ اور دوزخ سے چھٹکارا' اعمال بلکہ کثرتِ اعمال پر موقوف ہے' حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا اور شفاعت کے باوجود عمل کی اہمیت کم نہیں ہونی چاہیے بلکہ زیادہ ہو جانی چاہیے کہ شافع کی شان کے بھی یہی لائق ہے۔

روزے کی ترغیب

مندرجہ بالا احادیث میں نماز کی خاص ترغیب دی گئی ہے اور یہاں نماز سے مراد نفل نماز ہے۔ ایک حدیث میں نماز کے ساتھ نفلی روزے کی بھی ترغیب دی گئی ہے:

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی ایسا کام بتا دیں جس کے ذریعے اللہ مجھے نفع دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((عَلَيْكَ بِالصَّوْمِ' فَاِنَّهٗ لَا مِثْلَ لَهٗ))

''تم روزے کو لازم پکڑ لو کہ اس جیسا کوئی عمل نہیں ہے۔''

راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد ابوامامہؓ کے گھر سے دن کو دھواں اٹھتا نہیں دیکھا گیا اور کبھی کبھار دھواں اٹھتا تو ہم سمجھتے کہ ان کے گھر میں کوئی مہمان آیا ہوا ہے' کیونکہ وہ اور ان کے اہل خانہ تو روزے سے ہوا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد ابوامامہؓ پھر آپ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ نے مجھے ایک کام سکھایا تھا' میں سمجھتا ہوں کہ اس نے مجھے بہت فائدہ دیا' اب مجھے کوئی اور کام سکھا دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِعْلَمْ أَنَّكَ لَا تَسْجُدُ لِلّٰهِ سَجْدَةً اِلَّا رَفَعَكَ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْكَ بِهَا خَطِيئَةً))(۸)

''جان لو کہ تم اللہ کے لیے ایک بھی سجدہ کرتے ہو تو اللہ اس کے ذریعے تمہیں ایک درجہ بڑھا دیتا ہے اور تمہارا ایک گناہ معاف فرما دیتا ہے۔''

جان لینا چاہیے کہ اعمال کے لیے' بلکہ نماز اور روزے دونوں کے لیے موسم سرما ایک بہترین موسم ہے' اتنا بہترین کہ ہمارے رسول ﷺ نے اسے خزاں کے بجائے بہار قرار دیا۔

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلشِّتَاءُ رَبِيعُ الْمُؤْمِنِ))(۹)

''موسم سرما مؤمن کے لیے تو موسم بہار ہے۔''

ایک حدیث میں آتا ہے:

((اَلشِّتَاءُ رَبِيعُ الْمُؤْمِنِ، قَصُرَ نَهَارُهُ فَصَامَ، وَطَالَ لَيْلُهُ فَقَامَ))(۱۰)

''موسم سرما مؤمن کے لیے بہار کی مانند ہے' اس کے دن چھوٹے ہیں پس انسان روزہ رکھ سکتا ہے اور اس کی راتیں لمبی ہیں پس انسان آسانی سے قیام کر سکتا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی موسم سرما کو غنیمت سمجھتے رہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے:

اَلشِّتَاءُ غَنِيمَةُ الْعَابِدِينَ (۱۱)

''سردیوں کا موسم تو عبادت گزاروں کا موسم غنیمت ہے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ موسم سرما کی آمد پر فرمایا کرتے تھے:

مَرْحَبًا بِالشِّتَاءِ فِيهِ تَنْزِلُ الْبَرَكَةُ، اَمَّا لَيْلُهُ فَطَوِيلٌ لِلْقِيَامِ وَاَمَّا نَهَارُهُ فَقَصِيرٌ

لِلصِّيَامِ(۱۲)

''جاڑے کو خوش آمدید کہ اس میں برکت کا نزول ہوتا ہے' کہ اس کی راتیں قیام کے لیے لمبی ہیں اور دن صیام کے لیے چھوٹے ہیں۔''

مشہور تابعی عبید بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ آمدِ سرما پر اہلِ قرآن سے فرمایا کرتے تھے:

قَدْ طَالَ اللَّيْلُ لِقِرَاءَتِكُمْ فَاقْرَأُوْا، وَقَصُرَ النَّهَارُ لِصِيَامِكُمْ فَصُوْمُوْا(۱۳)

''رات تمہارے قرآن پڑھنے کو لمبی ہوئی ہے پس قرآن پڑھا کرو اور دن روزہ رکھنے کے لیے چھوٹا ہوا ہے پس روزہ رکھا کرو۔''

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

نِعْمَ زَمَانُ الْمُؤْمِنِ الشِّتَاءُ، لَيْلُهُ طَوِيلٌ يَقُوْمُهُ وَنَهَارُهُ قَصِيرٌ يَصُوْمُهُ (۱۴)

''کیا ہی خوب زمانہ ہے مؤمن کے لیے سرما کا' اس کی رات لمبی ہے' وہ اس میں قیام کرتا ہے اور اس کے دن چھوٹے ہیں' وہ روزہ رکھ لیتا ہے۔''

سردیوں کا روزہ ٹھنڈی غنیمت

رسول اللہ ﷺ نے سردیوں کے موسم میں روزے رکھنے کو ٹھنڈی غنیمت قرار دیتے ہوئے فرمایا:

((اَلصَّوْمُ فِي الشِّتَاءِ الْغَنِيمَةُ الْبَارِدَةُ))(۱۵)

''سردیوں میں روزہ رکھنا غنیمت باردہ ہے۔''

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ سامع رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا: کیا میں تمہیں ٹھنڈی ٹھار غنیمت کے بارے میں نہ بتاؤں؟ سامعؒ نے کہا: حضرت وہ کیا چیز ہے؟ فرمایا:

اَلصَّوْمُ فِي الشِّتَاءِ(۱۶)

''سردیوں میں روزے رکھنا۔''

ٹھنڈی غنیمت سے مراد ایک ایسا فائدہ ہے جس میں مشقت اور محنت زیادہ نہ کرنا پڑے۔ پس چاہیے کہ سردیوں کے موسم میں خوب نفلی روزے رکھے جائیں۔ یہ نفلی روزے وہ ہیں کہ جن کی ترغیب ہمارے پیارے رسول ﷺ نے ویسے بھی دی ہے یعنی ہر پیر اور جمعرات کو روزہ رکھنا' ہر چاند کی تیرہ' چودہ اور پندرہ کو روزہ رکھنا۔ نیز ایک دن کے ناغے سے لگاتار بھی روزہ رکھا جا سکتا ہے' جسے آپ ﷺ نے ''صومِ داؤدیؑ'' فرمایا۔

سردیوں کا قیام: اللہ تعالیٰ کی خوشی کا ذریعہ

ویسے تو نماز اپنی ذات میں نیکی ہے اور جب بھی ادا کی جائے اس کا اجر بہت بڑا ہے' لیکن مشکل حالات میں ہر نیکی کی طرح نماز بھی زیادہ اجر اور اللہ تعالیٰ کی خاص خوشی کا باعث ہے۔ ان مشکل حالات میں ایک موسم کی سختی بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((عَجِبَ رَبُّنَا مِنْ رَجُلَيْنِ : رَجُلٌ ثَارَ(فِي لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ) عَنْ وِطَائِهِ وَلِحَافِهِ مِنْ بَيْنِ حِبِّهِ وَأَهْلِهِ إِلَى صَلَاتِهِ، فَيَقُولُ اللّٰهُ لِمَلَائِكَتِهِ: اُنْظُرُوا إِلَى عَبْدِي ثَارَ عَنْ فِرَاشِهِ وَوِطَائِهِ مِنْ بَيْنِ حِبِّهِ وَأَهْلِهِ إِلَى صَلَاتِهِ رَغْبَةً فِيمَا عِنْدِي وَشَفَقًا مِمَّا عِنْدِي، وَرَجُلٌ غَزَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَانْهَزَمَ مَعَ أَصْحَابِهِ، فَعَلِمَ مَا عَلَيْهِ فِي الِانْهِزَامِ وَمَا لَهُ فِي الرُّجُوعِ، فَرَجَعَ حَتّٰى هُرِيقَ دَمُهُ، فَيَقُولُ اللّٰهُ لِمَلَائِكَتِهِ :اُنْظُرُوا إِلَى عَبْدِي رَجَعَ رَغْبَةً فِيمَا عِنْدِي وَشَفَقًا مِمَّا عِنْدِي حَتّٰى هُرِيقَ دَمُهُ))[17]

''ہمارا رب دو بندوں پر بہت خوش ہوتا ہے' ایک وہ آدمی جو (سردی کی رات میں) اپنے بستر اور لحاف سے نکلے، اپنے محبوب اور اپنے اہل وعیال کے درمیان سے اٹھ کر نماز پڑھنے لگے۔ تب اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہتا ہے: دیکھو میرے اس بندے کو' اس نے میرے انعام کے حصول اور میرے عذاب سے محفوظ رہنے کے لیے' اپنے بستر اور لحاف کو چھوڑا اور اپنے محبوب اور اپنے اہل وعیال سے الگ ہو کر نماز میں لگ گیا۔ اور دوسرا بندہ وہ ہے جس نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ اسے جنگ میں شکست ہوگئی' لیکن راہِ فرار اختیار کرنے کے گناہ سے بچنے اور ثابت قدم رہنے پر ملنے والے اجر کی امید پر وہ مقابلے میں ڈٹا رہا' یہاں تک کہ اس راہِ وفا میں اس کا خون تک بہا دیا گیا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہتا ہے: میرے بندے کو دیکھو' یہ میرے انعام کے شوق اور میری سزا کے خوف کے سبب جنگ میں لگا رہا' یہاں تک اس کا خون بہا دیا گیا۔''

اپنی ذاتی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی خوب بندگی کرنا اور اجتماعی زندگی میں اللہ کے دین کے قیام وتحفظ کے لیے جہاد کرنا اور اپنی جان تک نچھاور کر دینا' بندۂ مؤمن کی ''ایک ہی شخصیت'' کے دو رخ ہیں جو اس حدیث قدسی میں یکجا بیان فرما دیے گئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دونوں قسم کے لوگوں میں شامل فرمائے۔ آمین یاربّ العالمین!

حوالہ جات

(۱) صحیح مسلم' کتاب صلاۃ الاستسقاء' باب الدعاء فی الاستسقاء۔

(۲) صحیح البخاری' کتاب مواقیت الصلاۃ' باب الابراد بالظهر فی شدة الحر۔ وسنن ابن ماجه' کتاب الزهد' باب صفة النار۔

(۳) مستدرك حاكم' واسناده صحيح۔

(٤) صحیح مسلم' کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ' باب استحباب الابراد بالظهر.....

(٥) صحیح مسلم' کتاب الصلاۃ' باب صقل السجود والحث علیه۔

(٦) مسند احمد' کتاب اول مسند المدنیین اجمعین' باب حدیث ربیعة بن کعب الاسلمی رضی اللہ عنہ۔

(۷) صحیح مسلم' کتاب الصلاۃ' باب صقل السجود والحث علیه۔

(۸) مسند احمد' کتاب باقی مسند الانصار' باب حدیث ابی امامة الباهلی رضی اللہ عنہ۔

(۹) مسند احمد' کتاب باقی مسند المکثرین' باب مسند ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ۔

(۱۰) رواه البیهقی فی شعب الایمان۔

(۱۱) حلیة الأولیاء وطبقات الأصفیاء۔

(۱۲) لطائف المعارف لابن رجب الحنبلی۔

(۱۳) لطائف المعارف لابن رجب الحنبلی۔

(۱٤) لطائف المعارف لابن رجب الحنبلی۔

(۱٥) سلسلة الأحادیث الصحیحة للالبانی۔

(۱٦) السنن الکبریٰ للبیهقی۔

(۱۷) مشکاة المصابیح' بحواله شرح السنة للطبرانی۔

❁❁❁

جہاد فی سبیل اللہ

اصل حقیقت' اہمیت ولزوم اور مراحل ومدارج

بانی تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد** رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جامع خطاب

اشاعت خاص: 60 روپے اشاعت عام: 30 روپے

ملائکہ' انسان اور جدیدیت

محمد عمران خان ☆

فرشتے یا ملائکہ کیا ہیں؟

ملائکہ' ذی روح' غیر مرئی (invisible) اور نوری مخلوق ہیں۔ جنس و خورد و نوش سے مستغنی ہیں۔ نہ تھکتے تھمتے ہیں اور نہ سوتے ستاتے ہیں۔ باعزت و باعلم (جس قدر علم اللہ نے ان کو دیا) ہیں۔ جس طرح جنات ہمیں نظر نہیں آتے اسی طرح یہ ملائکہ بھی ہماری نگاہوں سے پوشیدہ رہ کر اپنے اپنے فرائضِ منصبی انجام دیتے ہیں۔ انسانی ارواح چونکہ ارادہ اور اختیار کی مالک ہوا کرتی ہیں اسی وجہ سے مختلف انسانوں سے مختلف رویے اور افعال سرزد ہوتے ہیں اور وہ ایک ہی کام کو مختلف انداز سے سرانجام دیتے ہیں۔ دوسری جانب ملائکہ کے کاموں میں یک رنگی' یکسانی' تواتر اور عدم اختلاف پایا جاتا ہے۔ فرشتے اس کائناتی تکوین کی وہ مخلوق ہے جو تین میں سے ایک ہے' جبکہ بقیہ دو انسان اور جِنّات ہیں' ان سب کی مشترک وجہِ تخلیق 'عبادت' ہے۔ خلقِ آدمؑ کا بیان بائبل میں کتاب پیدائش کے ابواب دوم وسوم میں باغِ عدن کے واقعہ میں مذکور ہے' جبکہ قرآن کریم میں سورۃ البقرۃ کی آیات ۳۰ تا ۳۹ اور سورۃ الاعراف کی آیات ۱۱ تا ۳۹ وغیرہ میں جِن و ملک و بشر کے فرق و امتیاز اور ان کے آئندہ کردار کے بارے میں حقیقت پسندانہ بیان موجود ہے۔

فرشتوں اور انسان کا باہمی تعلق

فرشتہ اور انسان کے باہمی تعلق کو دونوں ہی ممکنہ جہات (dimensions) سے تسلیم کیا گیا ہے۔ ایک طرف اگر متبعین وحی نے ہبوطِ آدم کے بعد فرشتوں سے انسان کا قبل از پیدائش شروع ہو کر موت کے بعد تک جاری بالواسطہ اور بذریعہ پیغمبر بلاواسطہ تعلق مستند و متحقّق مانا ہے تو

☆ imrann2010@gmail.com

دوسری جانب اہلِ عقل و خرد نے بھی آفاق و انفس پر غور و تدبّر کے بعد فرشتوں کی موجودگی کو دریافت (discover) کیا ہے۔ ان روحانی ہستیوں نے بحکمِ ربّی' منتخب بندوں یعنی انبیاء و رسل علیہم السلام سے مستقل ربط و ضبط استوار رکھا' تاکہ یہ چنیدہ افراد' اللہ کا پیغام تمام جن و انس تک پہنچائیں۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام اعلیٰ ترین اوصاف و کمال کے حامل اور معتبر ہستیاں ہیں' نیز ملائکہ نے حامیین و مخالفین انبیاء سے حسیاتی تعلق (sensorial connection) بھی ظاہر کیا اور مافوق الفطرت انداز میں پیروانِ انبیاء کے معاون و مؤید بھی رہے' مزید یہ کہ ان ارواحِ مقدسہ نے دورانِ نبوت ہر دو کے فکر و عمل کو براہِ راست متاثر بھی کیا' لہٰذا مذاہبِ عالَم میں ایمان بالملائکہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔

فرشتے اور گزشتہ تہذیبیں

فرشتوں کو روایتی تہذیبوں میں مختلف اسماء و افعال سے پہچانا جاتا رہا ہے۔ قدیم یونانی و مصری فلسفہ میں انہیں عقولِ عشرہ' غیر مادی ارواح اور logos یا بڑی سچائی کہا جاتا تھا۔ angel یونانی لفظ angelos بمعنی پیغامبر سے ماخوذ ہے' جنہیں celestial beings بھی کہا جاتا ہے۔ مجوسیت' پارسیت' زرتشت مت (Zoroastrianism) جو اہرمن و یزداں دو متوازی خیر و شر کی طاقتوں کو مانتے ہیں ۳۳ فرشتوں کا تصور رکھتے ہیں۔ اہلِ عرب فرشتوں کو مؤنث یا خدا کی بیٹیاں تصور کرتے تھے۔ (الصافات: ۱۴۹' ۱۵۰)۔ جبکہ ہندوؤں میں فرشتوں کا دھندلا یا ہوا تصور ہے' لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ ان کے لاتعداد دیوی دیوتاؤں کی خصوصیات ان کے باطل عقیدہ کے مطابق فرشتوں سے مشابہ ہیں۔

فرشتے اور الہامی مذاہب

فرشتے ابوالبشر آدمؑ سے قبل تخلیق کیے جا چکے تھے۔ (البقرۃ: ۳۰) (ایوب ۳۸: ۸)۔ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے ہاں پیامبر فرشتہ کو ''جبرائیل'' ملک الملکوت (Archangelos) کہا گیا' جبکہ مقرب فرشتوں (Archangels) کا تصور بھی موجود ہے (دانی ایل ۱۰: ۱۳) (المطفّفین: ۲۱)۔ عیسائیوں کے ''روح القدس'' (Holy Ghost) مابعد الطبیعیات اسلام میں ''جبرائیلؑ'' ہیں۔ ''میکائیل'' وہ خاص فرشتہ ہے جس کی ذمہ داری یہودی قوم کی دیکھ بھال اور حمایت مانی جاتی تھی (دانیال ۱۲: ۱) نیز عہد نبویؐ کے یہودی جبرائیلؑ کو اپنا دشمن اور میکائیلؑ کو

اپنا دوست سمجھتے ہیں' لیکن اسلام سخت الفاظ میں اس کی تردید کرتا ہے (البقرۃ:۹۷'۹۸)۔ اسلام میں اللہ کے حکم کے مطابق رزق کی تقسیم و بارش برسانے کی خدمت سرانجام دینے والے ''میکائیلؑ'' ہیں جنہیں رحمت کے فرشتوں میں شمار کیا جاتا ہے' جبکہ ''الزبانیہ'' (پولیس' پیادوں کا لشکر) عذاب کے فرشتے ہیں۔ (العلق:۱۸) صور پھونکنے والے ''اسرافیلؑ'' (Raphael) ہیں۔ ''عزرائیلؑ'' (Azrael) روح قبض کرنے والے ہیں جنہیں اسلام میں ملک الموت کہا جاتا ہے۔ (السجدۃ:۱۱)۔ آسمان کی دربانی کرنے والے بھی فرشتے ہیں۔ عرشِ الٰہی کے گرداگرد بھی فرشتے مامور ہیں۔ جنت کے داروغہ کا نام ''رضوان'' اور جہنم کے فرشتوں کے لیے قرآن میں ''مالک'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ (الزخرف:۷۷' البدایہ والنہایہ از ابن کثیر)۔ یہودی روایت میں کروبی وہ قدسی (فرشتے) ہیں جن کا تعلق عہد کے صندوق (تابوتِ سکینہ۔ Ark of Covenant) سے بتایا جاتا ہے۔ یاد رہے طالوت بادشاہ کی الوہی نشانی صندوقِ میثاق لانے والے فرشتے ہی تھے (البقرۃ:۲۴۸) عیسائی روایت میں ان کا جسم یونانی اسطوریات کے Griffin (خیالی جانور: سر اور پر عقاب کے اور بدن شیر کا سا تھا) سے بہت مشابہ ہے (جس سے عیسائیت میں یونانی دیومالائی Mythology اثرات کا پتا چلتا ہے)۔ ''سرافیم'' اعلیٰ فرشتوں کا ایک طبقہ ہے جن کے چھ پر (wings) ہوتے ہیں۔ قرآنِ مہیمن و سنتِ رسول ﷺ اس کی تائید کرتے ہیں کہ فرشتوں کے کئی سو تک پر ہو سکتے ہیں۔

بائبل کے مطابق فرشتے غیر فانی ہیں (لوقا ۲۰:۳۶)۔ اسلام سوائے اللہ الحی القیوم کے کسی کو بھی لافانی تسلیم نہیں کرتا (القصص:۸۸) (الرحمٰن:۲۶'۲۷ و آلِ عمران:۱۸۵)۔ بائبل کے مطابق فرشتے انسانوں سے برتر ہیں (عبرانیوں:۷:۲)۔ مسلم عالم دین امام ابن تیمیہؒ کہتے ہیں: ''نیکو شمائل بندے فرشتوں سے بدرجہ غایت اور انتہا کے لحاظ سے افضل ہیں اور یہ اس وقت ہوگا جب وہ جنت میں داخل ہوں گے اور اللہ کے قرب کو پالیں گے۔'' (عمر سلیمان الاشقر۔ فرشتوں کا تعارف اور ان کی ذمہ داریاں)۔ عیسائی روایت کے مطابق فرشتے پاک پیدا کیے گئے تھے لیکن ان میں سے بعض بدکار و باغی فرشتوں میں تبدیل ہو گئے' جن کا سردار لوسیفر (Lucifer) ہے' جو ایک فرشتہ تھا' پھر وہ شیطان (Satan) بن گیا (یسعیاہ:۱۴:۱۲۔ پطرس:۲:۴) جبکہ قرآنِ مہیمن کے مطابق شیطان فرشتہ نہیں بلکہ جن (ناری مخلوق) ہے

(فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ' كَانَ مِنَ الْجِنِّ﴾ (الکہف:۵۰)۔ اسلام میں اس بات پر اتفاق ہے کہ مرسل و فرستادہ فرشتوں (Messenger Angels) کا حکم انبیاء علیہم السلام جیسا ہی ہے کہ وہ معصوم عن الخطا ہیں' انہیں جو حکم دیا جاتا ہے اسے بلا چون و چرا بجا لاتے ہیں (الانبیاء:۱۹ و الشوریٰ:۵)۔ یاد رہے' فرشتوں کی امانت و صداقت پر ایمان لائے بغیر انبیاء پر نازل کردہ پیغام و کلام بھی قابل اعتبار (reliable) نہیں ٹھہر سکتا۔ نیز یہ بھی یاد رہنا چاہیے کہ عیسائیت میں الہام (inspiration) اور وحی (revelation) کے وہ معنی مراد نہیں لیے جاتے جو اسلام میں مسلمہ ہیں کہ قرآن اگر باللفظ و بالمعنی وحی متلو (تلاوت کی جانے والی) ہے تو حدیث وحی غیر متلو (تلاوت نہ کی جانے والی)۔ ایلن ڈگلس کہتا ہے ''اگرچہ ہم نہیں جانتے کہ الہام کس طرح دیا گیا' لیکن یہ ایمان رکھتے ہیں کہ ہر مصنف (انبیاء نہیں۔ راقم) کو آزادی تھی کہ وہ اپنی شخصیت' تعلیم' تجربہ وغیرہ کو خاص حد تک استعمال کر سکے۔'' (مضامین بے مثال' جلد اول: ص ۲۲۳)۔

فرشتے اور اسلام

قرآن و سنت میں چند مزید فرشتے اور ان کے اوصاف یوں ہیں: (۱) فرشتے اللہ کے سفارت کار (messenger) ہیں جو انبیاء و رسل تک اللہ کے پیغام پہنچاتے ہیں (الحج:۷۵)..... (۲) فرشتے قوتِ اختیار نہیں رکھتے' لہٰذا گناہوں سے پاک ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی و سرکشی نہیں کرتے بلکہ خوفِ خدا سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں (الانبیاء:۲۸) ..... (۳) فرشتے نبی کریم ﷺ پر رحمت و درود بھیجتے رہتے ہیں (الاحزاب:۵۶)..... (۴) فرشتے اللہ کے حکم کو پورا کرنے کا انتظام و تدبیر کرتے ہیں (النازعات:۵)..... (۵) ''کراماً کاتبین'' انسانی اعمال و افعال کی نگرانی کرتے ہیں اور ان سے متعلق معلومات رکھتے ہیں (الانفطار:۱۰) وہ فرشتے جنہیں ''رقیب و عتید'' کے اوصافی نام بھی دیے گئے (ق:۱۷'۱۸)۔ یہودی تالمود (Masechet Shabbath 119) میں نیکی و بدی کے فرشتوں کا تذکرہ موجود ہے..... (۶) ''منکر نکیر'' (نکیرین)' قبر میں سوال و جواب کرنے والے فرشتے ہیں (بخاری و ترمذی)..... (۷) ''ہاروت و ماروت'' خاص علم کے حامل فرشتے تھے جو سلیمان علیہ السلام کے دور میں بطور آزمائش' بابل (عراق) بھیجے گئے (البقرۃ:۱۰۲)۔

فرشتے اور مابعد الطبیعیات

مابعد الطبیعیات (Metaphysics) ایسا علم ہے جو انسانی تاریخ میں ہر دور و تہذیب میں موجود و مسلم (accepted) رہا ہے۔ اس علم میں ایسے وجود و حقائق کا مطالعہ کیا جاتا ہے جو حسی و مادی (Materialistic) اور طبعی (Physical) نہیں ہوا کرتے لیکن انسانی فطرت، عقل اور تجربہ ان کی موجودگی کو اس طرح یقینی و حقیقی باور کرتا ہے جیسے دن کی روشنی کو سورج کی موجودگی کی دلیل مانا جاتا ہے، چاہے سورج نگاہوں سے اوجھل ہی کیوں نہ ہو یا دھویں کا اٹھنا آگ کے موجود ہونے کو ظاہر کر رہا ہوتا ہے۔ اکثر دینی علوم و تصورات کی اساسیات یعنی عقائد و ایمانیات اسی ذیل میں آتے ہیں۔ مثلاً وجودِ باری تعالیٰ، جنت و جہنم، فرشتے اور جنّات و شیطان وغیرہ۔ جیسا کہ عرض کیا گیا کہ جدید علوم یعنی Sciences، مابعد الطبیعیاتی حقائق کو اپنے دائرہ تحقیق سے خارج کر دیتے ہیں، گویا وہ ماڈرن انسان کو اپنے ایمانیات (Religious Believes) سے کاٹ ڈالتے ہیں یا اس کی راہ ہموار کرتے ہیں۔

روایتی تناظر (traditional perspective) اور جدید تناظر (modern perspective) کے فرق کو اس مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ جب ایک روایتی شخص آفاق و انفس پر تدبّر و تذکّر کرتا ہے تو وہ وجودِ باری تعالیٰ کا قائل ہو جاتا ہے اور اس کا ایمان بڑھ جاتا ہے (مثلاً ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں قرآنی بیان۔ الانعام)۔ اس کے بالمقابل دورِ جدید کا سائنسدان جو کلیتاً سائنس کے طریقہ استقرائی (induction)، مجرد عقل و تجربہ کو بروئے کار لاتا ہے وہ کائناتی وسعتوں کے مقابلے میں اپنی حقیر حیثیت، کم مائیگی کا مشاہدہ کرتا ہے، لہٰذا وہ عدم استحکام اور انجانے خوف کا شکار ہو کر اپنے آپ کو ایک غیر معمولی انسان (superhuman) بنانے، کائنات کو تسخیر کرنے اور فطرت اور اس کے مظاہر پر قابو پانے کی کوشش کرنے کو اپنا مقصد حیات بنا لیتا ہے۔ تسخیرِ کائنات اور مزید ترقی (progress) کرنے کی لامحدود خواہش اسے سرمایہ (capital) کا غلام بنا دیتی ہے اور جدید علوم (sciences) اسے مافوق الفطرت عوامل و اسباب پر یقین سے دور کر کے قدرت اور کائنات پر قابو (control) مہیا کرنے کے آلات (tools) مہیا کرتے ہیں۔

فرشتے اور جدیدیت

مذکورہ مختصر مباحث سے واضح ہے کہ فرشتوں کا تصور ہر مذہب و تہذیب میں موجود رہا ہے، لیکن مغربی تہذیب (Western Civilization) کی علمیت فرشتوں کے تصور کو تسلیم نہیں کرتی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمان تناؤ و فشار، مایوسی و اضطراب اور خَیْبَة (frustration) کا شکار تھے، جس کے نتیجے میں تین قسم کے رویے ظاہر ہوئے: ایک رویہ مزاحمت (resistance) کا تھا، مثلاً سید احمد شہیدؒ (۱۷۸۶۔۱۸۳۱ء) کی تحریک جہاد اور شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی ریشمی رومال تحریک، اسی کی ایک ذیلی شاخ مدرسہ بند طرزِ فکر تھا۔ دوسرا معذرت خواہانہ انداز (apologetic reaction) اختیار کرنے والے مذہبی زعماء میں سے مولانا شبلی نعمانی (۱۸۵۷۔۱۹۱۴ء) تھے جن کی فکر سے مدرسہ فراہی کے مولانا امین اصلاحی اور جاوید احمد غامدی نمایاں ہوئے۔ جبکہ مصالحانہ یا مفاہمانہ (compromising reaction) انداز اختیار کرنے والی نمایاں شخصیت سرسید احمد خان (۱۸۱۸۔۱۹۹۸ء) کی تھی، جنہوں نے علمی تحریک علی گڑھ سے برصغیر کی مسلم فکر کو اس حد تک متاثر کیا کہ انہیں پاکستانی ایجوکیشن ریفارمر جانا جاتا ہے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ فرماتے ہیں: ''اے نونہالانِ وطن! جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غم خوار مدرسوں اور مسجدوں میں کم اور سکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں.....'' (نیشنل یونیورسٹی کا افتتاحی خطبہ صدارت، اکتوبر ۱۹۲۰ء) سرسید احمد خان نے نہ صرف جدید تعلیم بلکہ جدید رسوم و رواج و آداب غرض مغربی تہذیب کی نقالی کی دعوت دے کر لارڈ میکالے کے نظریات کا عملی مظاہرہ پیش کیا۔ فزیکل سائنسز کے تحت فطرت (Nature) کا مشاہدہ کیا اور فرشتوں اور معجزات کی مسلمانوں کے اجماعی عقیدہ سے ہٹ کر بے ڈھب سائنسی توجیہات پیش کرتے ہوئے کہا: ''فلسفہ ہمارے دائیں ہاتھ میں، نیچرل سائنسز بائیں ہاتھ میں اور کلمہ طیبہ کا تاج ہمارے سر پر ہوگا''۔ (تفسیر القرآن: جلد اول ص ۲۹ تا ۳۰، ۵۳)۔

عمرانی نقطہ نظر سے سماج یا تہذیب کی تشکیل کے تین مراحل (stages) ہوتے ہیں۔ اول مقاصد (intensions)، دوم ان مقاصد پر مبنی علوم (knowledge)، سوم ان علوم پر مبنی طرزِ حیات (life style)۔ مغربی علمیت کا مقصد آزادی ہے جس پر ان کے جملہ علوم کی اٹھان ہوئی اور مغربی لائف اسٹائل متشکل ہوا۔ اس کے برعکس مسلم علمیت کا مقصد آزادی ہرگز نہیں

ہے' بلکہ فرمانبرداری و پرہیزگاری اور عبدیتِ باری تعالیٰ ہے' حدود و قیود کا اہتمام ہے۔اس متضاد علمی میراث (جدیدیت کی ''آزادی'' اور اسلامیت کی ''حدود و قیود'') سے ایک متضاد رویوں کا حامل مسلمان متشکل ہوا' جس کے ذہن میں مانع منطق خانے (logic tight compartments) پائے جاتے ہیں اور دونوں تصورات ایک دوسرے سے بے خبر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایسا مذہبی فرد تیار ہو رہا ہے جو کسی معاملے میں سخت مذہبی ہے تو کسی معاملے میں سخت غیر مذہبی بھی ہے' مثلاً عقائد و عبادات میں وہ کٹر مسلمان ہے' مگر معاملات و سماجی تعلقات میں آزاد منش و دنیادار۔ایک طرف وہ نمازیں پڑھتا ہے تو دوسری طرف ملاوٹ' رشوت ستانی' دھوکہ دہی' چور بازاری اور بے حیائی کا بھی مرتکب ہو رہا ہے۔درحقیقت انسان ایک سماجی مخلوق (social being) ہے۔سماجی رد (social rejection) اور تفرد (isolation) میں وہ قائم دائم نہیں رہ سکتا' اگر ایسا ہو تو نفسیاتی عوارض اس کا روگ بن جائیں۔وہ اس دوغلے پن و منافقانہ رویوں کے بغیر مارکیٹ اور ملازمت میں چل نہیں سکتا۔دین اس کو صبر و قناعت کی تعلیم دیتا ہے تو ملازمت و مارکیٹ حرص و ہوس اور خواہشات کا غلام بناتے ہیں۔

اسلام ایک کلیت و جامعیت کا نام ہے جس میں عقائد و اخلاقیات' معاشرت و معیشت' سیاست و تعلیم غرض تمام شعبہ ہائے حیات شامل ہیں۔وہ فرد کو اس کی انفرادی زندگی سے اجتماعی زندگی تک ایک مکمل پیکج فراہم کرتا ہے جس میں رہ کر افراد کا باہمی تعلق صحت مندانہ بنیادوں پر استوار رہتا ہے۔رسولِ عربی ﷺ کی ریاستِ مدینہ سے تاریخِ عالم کی اعلیٰ ترین الہامی تہذیب نے نہ صرف جنم لیا بلکہ قریب ہزار سال تک دنیا کا فطرت سے دوطرفہ مفید تعلق برقرار رکھا۔اس کے برعکس مغربی تہذیب انسانی و آفاقی ہر دو فطرتوں سے متصادم نظر آتی ہے' جس کا نتیجہ عظیم تباہی و بربادی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

فرشتے اور سائنس

سائنس سے بے پناہ مرعوبیت' مصنوعات کے لامحدود پھیلاؤ اور اس پر بڑھتی انحصاریت کی وجہ سے مغربی انسان نے اپنے فطری رجحان (inborn tendency) ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى﴾ ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے اقرار کیا: کیوں نہیں'' (الاعراف: ۱۷۲) کی تسکین کی خاطر سائنس ہی کو خدا کی جگہ رکھنا شروع کر دیا ہے' جسے Scientism کہا جا رہا

ہے۔اور عیسائیت میں Scientology کی صورت میں مزید ریفارمز جاری ہیں۔مغرب مقلّد انسان' جو کہ لبرل و سیکولر اور دیگر اِزموں کا حامی ہے' دیکھتے بھالتے اس مادیت پرستی میں اپنے دین و ایمان کے مطلوب ''آخرت کی کامیابی'' کو بھلا کر دنیا پرستی کی دوڑ میں سرپٹ دوڑ رہا ہے۔

پروفیسر آرتھر جیمس کے بقول دورِ جدید میں علم الفرشتگان (Angelology) کو نظر انداز کرنے کی وجہ علم سائنس و ٹیکنالوجی پر زیادہ یقین رکھنا ہے (مسیحی علم الٰہی کے لزوم)۔ ''وھن: حب الدنیا و مخافة الموت'' (دنیا سے محبت اور موت کے خوف) نے انسانوں کے طرزِ فکر اور ورلڈ ویو کو یکسر بدل دیا ہے اور وہ فرشتوں کو اپنا دوست سمجھنے کے بجائے دشمن باور کرنے لگے ہیں:

"So the trend of making Gabriel (angel) a "bad guy" ..... accepting the Renaissance convention that the unnamed angel with the trumpet in Revelation is Gabriel, and finishes with the (widespread) assumption that the end of this world would be a very bad thing."
Was Gabriel a bad angel? How was this theory born?
Quora:
https://www.quora.com/Was-Gabriel-a-bad-angelHow-was-this-theory-born)

''یہ رجحان کہ فرشتہ جبرائیل ایک بری ہستی ہے..... یہ رجحان نشاۃِ ثانیہ کے بعد سے پیدا ہوا کہ حامل صور بے نام فرشتہ جس کا (مسیحی) الہام میں تذکرہ ہے وہ جبرائیل ہی ہے۔اور اب یہ عام تصور تھا کہ دنیا کا اختتام ایک بہت بری بات ہوگی (لہٰذا فرشتہ جبرائیل جو دنیا کے خاتمہ کا سبب ہے ایک بُری شخصیت ہے)''——نعوذ باللہ!

(نظر ثانی: مولانا ارسلان محمود)

❁❁❁

اپنے ذاتی اوقات میں سے کم از کم نصف گھنٹہ نکال کر
''بیان القرآن'' کے ترجمہ و ترجمانی کا ضرور مطالعہ کریں'
آپ یقیناً مستفید ہوں گے۔(ان شاء اللہ!)

تیسری عالمی جنگ کی تیاری

محمد ندیم پشاوری ☆

روئے زمین پر دیگر مقامات کے علاوہ تین ایسے مقدس ومشرف مقامات ہیں جن کے ساتھ مسلمانوں کی انتہائی حد تک روحانی وابستگی ہے' جو یقیناً اُمتِ مسلمہ کی اجتماعیت کا سبب بھی ہے۔ان مقامات میں سرفہرست کعبۃ اللہ' ثانیاً مسجد نبوی شریف اور تیسرا مقام بیت المقدس ہے۔بیت المقدس یا مسجد اقصیٰ وہ عظیم مقام ہے جہاں سرورِ کائنات ﷺ نے معراج کے سفر سے قبل تمام انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی امامت فرمائی تھی۔آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلیفہ بلافصل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی باقی حیات میں فتنہ ارتداد کے خلاف لڑتے رہے' یہاں تک کہ آپ ﷺ کی رفاقت اختیار کر لی۔فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا دور خلافت شروع ہوا تو فتوحات کا سلسلہ بڑھتا گیا اور ۱۷ھ یعنی ۶۳۹ء میں عیسائیوں سے ایک معاہدے کے تحت بیت المقدس مسلمانوں کی سلطنت کا حصہ بن گیا جو کئی صدیوں تک مسلمانوں کے زیرانتظام رہا۔۱۰۹۹ء میں پہلی صلیبی جنگ کے موقع پر یورپی صلیبیوں نے ۷۰ ہزار مسلمانوں کو شہید کر کے بیت المقدس پر قبضہ کر لیا۔ٹھیک ۸۷ سال بعد یعنی ۱۱۸۷ء میں سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے بیت المقدس کو عیسائیوں کے قبضے سے چھڑا لیا اور تقریباً ۸۰۰ سال تک مسلمان دوبارہ بیت المقدس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالاتے رہے۔

بیت المقدس تمام الہامی مذاہب یعنی یہودیوں' عیسائیوں اور مسلمانوں کے نزدیک ہمیشہ سے انتہائی قابل احترام اور مقدس رہا ہے۔یہودیوں کے بقول ۷۰ء میں ٹائٹس رومی کے ہاتھوں یروشلم کی تباہی سے ہیکل سلیمانی کی ایک دیوار کا کچھ حصہ بچا ہوا ہے جہاں دو ہزار سال سے یہودی زائرین آکر رویا کرتے تھے' اسی لیے اسے ''دیوارِ گریہ'' کہا جاتا ہے۔یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ انہوں نے ایک دن ارض مقدس یروشلم میں لوٹنا ہے' جہاں ان کا

☆ ای میل: nts143043@gmail.com

''مسیحا'' آئے گا اور وہ ان کے لیے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام جیسی وسیع وعریض حکومت قائم کرے گا۔

بنی اسرائیل نے فرعونوں کی غلامی میں' اخلاق وکردار سمیت ہر اعلیٰ وصف کو بھلا دیا تھا' اس لیے بار بار پیغمبروں کی آمد ہوئی جو ان کی اصلاح کی کوشش کرتے رہے' مگر اس ناشکری قوم نے نہ صرف پیغمبروں کی قربانی اور محنت کو ضائع کیا بلکہ ان میں سے بہت سوں کو شہید بھی کر کے اپنی شقاوت اور بدبختی پر مہر ثبت کر دی۔یہی نہیں بلکہ آسمانی کتابوں میں تحریف کر کے اپنی اگلی نسلوں کے لیے ہدایت کے دروازے خود بند کر دیے۔انہی بدبختیوں اور نافرمانیوں کی پاداش میں یہ قوم ہمیشہ سے ذلیل ورسوا رہی ہے اور ہر کوئی ان کو بے عزت کر کے اپنے ملک سے بے دخل کرنے کی کامیاب کوشش کر چکا ہے۔۵۸۷ قبل مسیح میں بابل کے بادشاہ بخت نصر نے ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔۵۳۹ قبل مسیح میں ایرانی فاتح سائرس (خورس یا خسرو) نے بابل کو فتح کر کے یہودیوں کو واپس آنے کی اجازت دے دی۔۹۸ قبل مسیح میں یونانی فاتح اینٹیوکس سوم (Antiochus III) نے فلسطین پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا' جو مذہباً مشرک اور اخلاقاً بے راہ رو تھا۔اسے یہودی مذہب اور تہذیب سے سخت نفرت تھی۔اس کے خلاف یہودیوں نے مکابی تحریک برپا کی۔مکابیوں کی تحریک رفتہ رفتہ خالص دنیا پرستی اور خواہشاتِ نفسانی کی نذر ہو گئی' چنانچہ ۶۳ قبل مسیح میں روم کے جنرل پومپی (Pompey) نے فلسطین پر حملہ کر کے یہودیوں کی آزادی کا خاتمہ کر دیا۔۶۴ اور ۶۶ قبل مسیح کے درمیان یہودیوں اور رومیوں کے مابین رنجشیں بڑھتی گئیں' یہاں تک کہ ۷۰ عیسوی میں ٹائٹس (Titus) نے بزور شمشیر یروشلم کو فتح کر کے ۳۳ لاکھ یہودیوں کو قتل کر دیا اور ۶۷ ہزار آدمیوں کو گرفتار کر کے غلام بنا لیا گیا۔ہزارہا آدمی پکڑ پکڑ کر مصری کانوں میں بیگار کے لیے بھیج دیے گئے۔ہزاروں یہودی جنگلی جانوروں کی نذر کر دیے گئے' یروشلم اور ہیکل کو پیوند خاک کر دیا گیا۔اس کے بعد فلسطین سے یہودی اثر ایسا مٹا کہ دو ہزار برس تک اس کو پھر سر اٹھانے کا موقع نہ ملا۔صلیبی جنگوں کے دوران عیسائی جنگجوؤں کو لڑنے کے لیے اگر مسلمان نہ ملتے تو یہودیوں کو صلیب پر چڑھا دیتے۔چنانچہ شمالی فرانس' رائن لینڈ' ٹریولیس' وورمز اور کئی دیگر مقامات پر عیسائی خونخوار بدبخت یہودیوں کو اتنی بے دردی سے مارتے کہ وہ ان کے ہتھے چڑھنے کے بجائے خودکشی کرنے کو ترجیح دیتے۔

۱۲۵۷ء اور ۱۲۶۷ء کی خانہ جنگیوں کے دوران سات شہروں لندن (London)' کنٹربری (Contour Burry)' نارتھمپٹن (Northampton)' ونچسٹر (winchester)' ورسسٹر (Worcester)' لنکولن (Lincoln)' اور کیمبرج (Cambridge) کے تمام یہودی خاندانوں کو ملیامیٹ کر دیا گیا۔ انگلینڈ کے ایڈورڈ اوّل (Edward I) نے سولہ ہزار یہودیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنا مال ومتاع چھوڑ کر انگلینڈ سے نکل جائیں۔ یہ لوگ چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں روانہ ہوئے' بہت سی کشتیاں سمندر میں ہی ڈوب گئیں اور باقی فرانس پہنچ گئے۔

۱۱۸۰ء میں فرانس کے فلپ دوم (Philip II) نے تمام یہودیوں کو جیل میں ڈال دیا' پھر بھاری رقوم لے کر رہا کر دیا اور ایک سال بعد ملک سے نکل جانے کو کہا۔ ۱۲۳۶ء میں صلیبی جنگجوؤں نے یہودیوں سے مطالبہ کیا کہ وہ عیسائیت قبول کر لیں۔ انکار کرنے پر تین ہزار یہودیوں کو گھوڑوں کے سموں تلے کچل دیا گیا۔ ۱۲۵۴ء میں ایک بار پھر اِن کو فرانس سے ذلیل کر کے ملک بدر کر دیا گیا۔ ۱۳۲۱ء میں سپین کے رہنے والے یہودیوں کو ایک سازش کے نتیجے میں چن چن کر مارا گیا۔ ۱۳۴۸ء میں کنوؤں میں زہر پھینکنے کے الزام میں یورپ بھر میں لاکھوں یہودیوں کو زندہ جلا دیا گیا۔ ۱۳۶۴ء میں فرانس کے جان دوم (John II) کی وفات کے بعد یہودیوں نے فرانس کے حکمرانوں کو بھاری رشوتیں دے کر دوبارہ فرانس میں جگہ بنالی۔ ۱۳۹۴ء میں یہودیوں کے خلاف فرانس کے مختلف شہروں میں ہنگامے ہوئے' بالآخر مار پیٹ اور لوٹ مار کر کے ان کو نکال دیا گیا اور وہ اگلے چار سو سال یعنی انقلاب فرانس (۱۷۸۹ء) تک دوبارہ اس ملک کا رخ نہ کر سکے۔ ۱۴۹۴ء میں سپین میں مسلمانوں کے اقتدار کے خاتمے کے بعد فرڈیننڈ دوم (Ferdinand II) نے یہودیوں کی مزاحمت کے نتیجے میں بے شمار یہودیوں کو زندہ جلا دیا جبکہ باقی ملک چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

اٹلی' فرانس' جرمنی اور کہاں کہاں سے نکالے گئے' یہاں تک کہ ۲۹ مارچ ۱۵۱۶ء کو وینس (۱۱۷ جزیروں پر مشتمل ایک شہر) کی حکومت نے ان کو اپنے ہاں غیر آباد علاقوں' جہاں شہری سہولیات میسّر نہیں تھیں اور رات کے وقت علاقے کو بند کر دیا جاتا تھا' میں رہنے کی اجازت اس شرط کے ساتھ دے دی کہ یہ اپنے گلے میں مخصوص نشان لٹکائے ہوئے ہوں گے

تاکہ نمایاں نظر آئیں۔ ۱۷۹۷ء میں جب فرانس کے نپولین بوناپارٹ نے وینس فتح کیا تو یہودیوں کو وہاں سے نکال کر پورے شہر میں آباد کیا۔ تقریباً دو ہزار سال کی غلامی اور بدترین ذلت اور محکومی کی زندگی گزارتے ہوئے یہ قوم ایک معاشرتی لعنت بن چکی تھی۔ ہر کوئی ان سے نفرت کرتا' انہیں اپنے شہروں سے دربدر کرتا' علیحدہ لباس پہننے اور گلے میں شناخت کے لیے تختی لٹکانے کو کہا جاتا۔

چودھویں صدی کے آخر میں ذلتوں اور رسوائیوں کی داستان رقم کرنے کے بعد آخر کار پولینڈ پہنچے۔ سولہویں صدی یعنی ۱۶۴۸ء میں وہاں بھی مقامی لوگوں کے احتجاج اور قتل وغارت گری سے تنگ آ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے اور کچھ نے ذلت ورسوائی کا طوق گلے میں ڈال کر وہاں سکونت اختیار کر لی۔ پولینڈ سے پسپائی اختیار کرنے کے بعد جرمنی میں پناہ لینے کے لیے پہنچ گئے۔ وہاں پہنچنے پر بھی ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ کا کوڑا ان کے سر پر سایہ فگن رہا۔ عیسائی پادریوں نے اِن سے حلف لینے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ یہودی کو ننگے پاؤں سور کی کھال پر کھڑے ہو کر یہ الفاظ کہنے پڑتے:

> ''میں نجس یہودی ہوں' میں آوارہ ہوں' میرا کوئی گھر نہیں اور کوئی وطن نہیں' سوائے اس کے کہ جو چرچ کی مہربانی سے مجھے نصیب ہو' میں ذلیل ہوں اور تمام بنی نوع انسان کی ذلت کا صرف باعث ہی نہیں بلکہ اس کی تباہی کا سامان بھی ہوں۔ میری عورتیں طوائفیں ہیں اور میرا انجام دائمی جہنم ہے' کیونکہ میں چرچ اور تمام نیک عیسائیوں کا بدترین دشمن ہوں۔''

اٹھارھویں صدی عیسوی میں تقریباً دس لاکھ یہودی کسی بھی طرح سے روس پہنچ گئے اور تقریباً ۷۰ سال تک وہاں آباد رہے۔ ایک یہودی نے عیسائیت قبول کر لی اور ایک کتاب ''دی بک آف کہل'' لکھی' جس میں یہودیوں کا عیسائیوں کے خاتمے کی منصوبہ بندیوں کا انکشاف کیا گیا تھا۔ کتاب کو سرکاری سرپرستی کے تحت بڑے پیمانہ پر شائع کیا گیا اور نتیجتاً ۱۸۷۱ء میں یہودیوں کا قتل عام شروع ہو گیا' چار دن تک یہودی بلا روک ٹوک مارے گئے۔ اس پر یہود کی اکثریت روس سے فرار ہو کر مغربی یورپ اور امریکہ پہنچنے لگی۔

۱۹۳۳ء میں جرمنی میں نازیوں کے اقتدار میں آنے کے وقت یہودی یورپ کے ہر ملک میں رہ رہے تھے۔ ان کی سب سے بڑی تعداد مشرقی یورپ میں آباد تھی' جس میں پولینڈ

اور ہنگری شامل تھے۔ دوسری جنگ عظیم (۱۹۳۹ء۔۱۹۴۵ء) میں جب نازی فتوحات کا سلسلہ مشرقی یورپ میں پہنچا تو جرمنی کی خصوصی ٹاسک فورس نے ہٹلر کے حکم پر یہودیوں کو بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا۔ اس مقصد کے لیے خصوصی طور پر گیس چیمبرز تیار کیے گئے۔ یہودی اس قتل عام کو Holocaust (مرگِ انبوہ) کا نام دیتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اس میں ساٹھ لاکھ یہودی قتل ہوئے۔

ملکوں ملکوں بکھری یہ ذلیل ورسوا قوم ۱۸۹۶ء میں ایک جگہ اکٹھی ہوئی اور انہوں نے اس تصور کے مطابق آگے بڑھنے کا ارادہ کیا جو ان کی مذہبی کتابوں میں درج تھا کہ تمہارا مسیحا آئے گا اور پھر تم پوری دنیا پر یروشلم سے حکومت کرو گے۔ آئندہ آنے والے سالوں کے لیے انہوں نے ایک ہدایت نامہ ترتیب دیا جسے Protocols of the Elders of Zion صہیونیت کے (بزرگوں کا مسودہ) کہتے ہیں۔ ۱۸۹۷ء میں سوئزرلینڈ کے شہر باسل میں یہودیوں کی کانفرنس ہوئی اور وہاں دنیا پر قابض ہونے کے لیے پروٹوکول لکھے گئے' جس کا نمونہ آج ہمارے پاس اردو میں ترجمہ شدہ کتاب ''یہودی پروٹوکولز'' کے نام سے موجود ہے۔

گیارہ سال بعد انہوں نے بالفور ڈکلیریشن (Balfour Declaration) کے ذریعے پوری دنیا کی قوموں سے یہ بات منوالی کہ دنیا بھر میں بسنے والے تمام یہودی ایک قوم ہیں' خواہ وہ کوئی بھی زبان بولتے ہوں یا کسی نسل سے تعلق رکھتے ہوں' ان کو ارضِ فلسطین میں آباد ہونے کا حق ہے۔ ۵ نومبر ۱۹۱۴ء کو برطانیہ نے خلافت عثمانیہ کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ اس کے چار دن بعد برطانوی کابینہ میں ڈیوڈ لائڈ جارج نے یہودیوں کی فلسطین میں آبادکاری کے منصوبے کا خاکہ پیش کیا۔ مارک نے فرانس کے سفارت کار فرانکوئس پی کوٹ (Francois Picot) کے ساتھ مل کر برطانیہ کا فرانس کے درمیان ایک خفیہ معاہدہ کروایا جسے ''Asia Minor Agreement'' کہتے ہیں۔ اس کے تحت یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ جب خلافت عثمانیہ کے حصے بخرے ہوں گے تو کون کون سا علاقہ کس ملک کے پاس جائے گا۔ برطانیہ کے پاس دریائے اردن' سمندر کے درمیان کا علاقہ (جس میں آج کل اسرائیل واقع ہے) اور جنوبی عراق —— جب کہ فرانس کے پاس جنوب مشرقی ترکی' شمالی عراق' شام اور لبنان —— اور روس کے پاس استنبول وغیرہ آنے تھے۔ یوں حیفہ اور ہیبرون کا علاقہ برطانیہ

کے ہاتھ آ گیا جہاں انہوں نے صہیونی یہودیوں کے ساتھ معاہدہ کر کے انہیں وہاں آباد کرنا تھا۔ سائیکس اور پائی کوٹ نے اپنی مرضی سے پورے مشرق وسطیٰ کے نقشے پر لکیریں کھینچیں' جنہیں آج اردن' لبنان' عراق' شام' یمن' سعودی عرب اور دیگر ریاستیں کہتے ہیں۔ ۲۱ جنوری ۱۹۱۵ء کو برطانوی کابینہ میں ہربرٹ سیموئل کا میمورنڈم ''فلسطین کا مستقبل'' پیش ہوا۔ آپ حیران ہوں گے کہ یورپ کے یہودی اس قدر بااثر تھے کہ کابینہ نے ان کے میمورنڈم پر غور کیا اور ۱۹۱۷ء میں بالفور ڈیکلریشن وجود میں آیا' جس کے الفاظ تھے:

His Majesty's Government view with favor the establishment in Palestine of a National home for Jewish people, and will use their best endeavors to facilitate the achievement of this object.

''تاجِ برطانیہ اور اس کی حکومت فلسطین میں یہودیوں کے ایک قومی گھر کے قیام کو اچھی نظر سے دیکھتی ہے اور وہ اس کے حصول کے لیے اپنی تمام کوششیں بروئے کار لائے گی۔ یہودیوں کو ایک قوم تصور کرتے ہوئے وہاں بسنے کا حق ہوگا۔''

۱۸۹۷ء کی پہلی کانفرنس کے بیس سال بعد ۱۹۱۷ء میں یورپی افواج نے یروشلم فتح کر لیا۔ ۱۰ جنوری ۱۹۲۰ء کو لیگ آف نیشنز (League of Nations) وجود میں آئی اور ۱۹۲۲ء میں سوئزرلینڈ کے ایک شہر ''لوسانی'' (Lausanne) میں لیگ آف نیشنز کے تحت ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں فلسطین کے انتظام کو عراق اور اردن کے حوالے کر دیا گیا۔ اس کے بعد ۱۹۱۹ء میں پہلا یہودی قافلہ لندن' پیرس' برلن اور نیویارک جیسے ماڈرن شہروں میں اپنی اربوں ڈالر کی جائیدادیں اور کاروبار چھوڑ کر بحرطبریہ عبور کر کے حیفہ اور تل ابیب کے ریگستان میں جا کر آباد ہونے کے لیے پہنچا اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ آج فلسطین میں ساٹھ لاکھ سے زائد گھر یہودیوں کے آباد ہیں۔ کیا یہ سب خاندان' جو جزیرہ نمائے عرب کے شمالی کونے میں واقع ایک بے آب وگیاہ علاقے میں آباد ہو گئے یا کر دیے گئے' ان کے پاس دولت' جائیداد' کاروبار یا عیش وعشرت کی کمی تھی؟ کیا ان کا بچپن یا ان کے باپ دادا کا بچپن اس سرزمین پر گزرا تھا کہ انہیں پل پل اس کے گلی کوچوں کی یاد ستاتی تھی؟ اور وہ اپنے آبائی گھروں میں جا کر آباد ہونا چاہتے تھے؟ اپنے قدیمی گلی محلوں میں کھیلنا کودنا چاہتے تھے؟ ایسا تو ہرگز نہ تھا۔ یہ سب لوگ' جو انگلینڈ' یورپ کے دیگر ممالک اور امریکا کی ترقی یافتہ آبادیاں چھوڑ

کر یہاں آباد ہوئے' اپنے اپنے علاقوں کے متمول ترین لوگ تھے۔ خوبصورت گھروں میں رہتے' شاندار گاڑیوں میں سفر کرتے اور وسیع کاروبار کے مالک ہوتے تھے۔ ان ملکوں میں امن' خوشحالی اور سلامتی بھی تھی' قانون کی حکمرانی اور انسانی حقوق کی پاسداری بھی' لیکن جہاں وہ جا کر آباد ہو رہے تھے وہاں تو نہ پانی' نہ سبزہ' نہ سڑکیں' نہ عمارات' بلکہ ایک بے آباد سرزمین اور وہاں پر آباد عرب ان کی جان کے دشمن۔ اس کے باوجود وہ اپنا سب کچھ بیچ کر فلسطین کے علاقے میں جا کر آباد ہو گئے۔ وہ وہاں کسی پُرتعیش زندگی گزارنے' سائنس ٹیکنالوجی کی ترقی اور علم کی پیاس بجھانے نہیں آئے' بلکہ مسلمانوں کے خلاف تیسری عالمی جنگ کی تیاری اس ایمان اور یقین کے ساتھ کر رہے ہیں کہ پھر ایک ایسی سلطنت قائم کرنی ہے' جو فرات کے ساحلوں تک ہوگی۔ جس میں اردن' شام' قطر' بحرین' کویت' یو اے ای' یمن اور مدینہ تک آئیں گے۔ یہ تصور جس دن سے ان کے دماغوں میں راسخ ہوا اور انہوں نے بحیثیت قوم اس پر یقین کرتے ہوئے عمل درآمد شروع کیا' اس کے بعد ان کی ترقی کی منزلیں طے کرنے کی رفتار ناقابل یقین حد تک تیز ہوگئی۔ ہر یہودی یہ خواب دیکھتا ہے اور اس کے لیے گھر بار چھوڑ کر اسرائیل آ جاتا ہے' یا پھر جہاں کہیں بھی ہے اپنی دولت سے خطیر حصہ اس اسرائیل کی ترقی کے لیے بھیجتا ہے۔

جب ترکی کے حصے بخرے ہو چکے تو ۱۹۱۷ء میں برطانیہ نے اعلان کر دیا کہ فلسطین میں یہودیوں کو حصہ ملنا چاہیے' یہ ان کا حق ہے۔ اُس وقت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے یہ فتویٰ دیا تھا کہ فلسطین میں کسی بھی مسلمان کے لیے یہودیوں کو اپنی زمین بیچنا حرام ہے۔ بہرکیف برطانیہ نے عالمِ اسلام کے احتجاج کو نظرانداز کرتے ہوئے فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری شروع کر دی۔ تین عشروں بعد دوسری عالمی جنگ چھیڑی گئی۔ اس بار صہیونیوں کے ہاتھوں اقوام متحدہ وجود میں آئی' جس کے بعد نومبر ۱۹۴۷ء میں برطانیہ نے اعلان کیا کہ یہود کو اُن کا وطن ملے گا اور فلسطین میں آزاد یہودی مملکت ناگزیر ہے۔

اقوامِ متحدہ کے قیام کے ۳ سال بعد ۱۹۴۸ء میں امریکا کی ایک ریاست کے جج مسٹر سٹرونگ نے ''خیانت کے علمبردار'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں اس نے انکشاف کیا کہ ۱۸۹۷ء میں ہونے والی پہلی عالمی صہیونی کانفرنس میں ''لیگ آف نیشنز'' کا

تصور ایک باقاعدہ زمانی ترتیب کے ساتھ پیش کیا گیا تھا کہ بالترتیب چند طے شدہ اقدامات کے بعد عالمی ادارہ وجود میں لایا جائے گا۔

اُسی کانفرنس میں یہ بھی اعلان کر دیا گیا تھا کہ ایسے ادارے کے قیام کے بعد یہودی مملکت کا خواب شرمندہ تعبیر ہوتے دیر نہیں لگے گی۔ چنانچہ یہی ہوا اور اقوام متحدہ کے تشکیل پانے کے کچھ ہی عرصے بعد ۱۹۴۷ء میں فلسطین کو یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرنے کی قرارداد پیش کی گئی۔ اس رائے شماری میں تمام رکن ملکوں کو شامل نہیں کیا گیا تھا' بلکہ چند مخصوص ممالک کو ووٹ دینے کا حق دیا گیا تھا۔ اس کے باوجود یہ قرارداد اتنی بے رحمانہ تھی کہ اس کی مخالفت میں پانچ اور حق میں صرف تین ووٹ آئے۔ قرارداد کو منظور کروانے کے لیے تین ووٹ اور چاہئیں تھے۔ چنانچہ بدترین دھاندلی کرتے ہوئے رائے شماری میں فلپائن' ہنگری اور لائبیریا جیسے چند غریب ترین ممالک کو بھی شامل کر لیا گیا۔ ان پر یہودیوں کے حق میں ووٹ دینے کے لیے دباؤ ڈالا گیا۔ ان قحط زدہ ملکوں کی حکومتوں کو مالی رشوتیں بھی دی گئیں۔ اس طرح صہیونی لابی نے اسرائیل کے قیام کی قرارداد منظور کرائی۔ چنانچہ ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو اسرائیل کے قیام کا اعلان ہو گیا۔ اس کے قیام کے ۱۰ منٹ بعد امریکا نے اسے قبول کر لیا۔

۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیل نے یروشلم پر قبضہ کر لیا۔ ۱۹۹۵ء کے ایک فیصلے کے تحت' اگرچہ امریکی کانگریس نے یروشلم (بیت المقدس) کو اسرائیل کا دارالحکومت قرار دے دیا تھا لیکن تینوں بڑے آسمانی مذاہب یعنی اسلام' یہودیت اور عیسائیت کے ساتھ اس شہر کے تاریخی' جذباتی' نفسیاتی اور روحانی رشتوں کے پیش نظر بوجوہ اس کے اعلان کو چھ ماہ تک مؤخر کرنے کا اختیار امریکی صدر کو دے دیا گیا تھا اور یوں گزشتہ ۲۲ برس سے تمام امریکی صدر اپنے اس حق کو خاموشی سے استعمال کرتے چلے آ رہے تھے' لیکن بالآخر موجودہ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے ذریعے مسلمانوں کے زخموں پر نمک پاشی کر دی گئی' جس میں مزید اضافہ اسرائیل کے وزیراعظم نیتن یاہو کے موقف سے ہوا کہ:

> ''دنیا کے ہر کونے میں ہمارے لوگ یروشلم واپس آنے کے لیے بے تاب ہیں اور آج صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے اعلان نے اسے ہمارے لیے ایک تاریخی دن بنا دیا ہے۔ یہ ایک تاریخی دن ہے۔ یروشلم ہماری امیدوں' خوابوں اور دعاؤں کا مرکز رہا ہے۔ یروشلم

یہودیوں کا تین ہزار سال سے دارالحکومت رہا ہے۔ یہاں پر ہماری عبادت گاہیں رہی ہیں‘ ہمارے بادشاہوں نے حکمرانی کی ہے اور ہمارے پیغمبروں نے تبلیغ کی ہے۔‘‘

اس کے متوقع اثرات کیا ہیں اور کیا ہو سکتے ہیں‘ فی الوقت ساری دنیا اس کی ضرب‘ جمع وتفریق میں لگی ہوئی ہے لیکن صورت حال کچھ یوں معلوم ہوتی ہے‘ جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا: ؎

گنبد نیلوفری رنگ بدلتا ہے کیا دیکھئے اس بحر کی تہ سے اچھلتا ہے کیا!

اس کا جواب بھی علامہ اقبالؒ نے خود ہی یہ کہہ کر دے دیا کہ:

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی!
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی!

آج حالت یہاں تک آ پہنچی ہے کہ امریکہ کی تجارت ہو یا معیشت‘ الیکٹرونک میڈیا ہو یا سوشل میڈیا‘ ملکی درآمدات ہو یا برآمدات‘ تمام سرخ سفید کے مالک یہودی بن بیٹھے ہیں‘ اسی لیے اُن کو بخوشی یا زبردستی یروشلم کو اسرائیل کا دارالحکومت قرار دینا ہی تھا‘ تاکہ ان ناپاک اور نجس لوگوں کو اپنے ملک سے نکال باہر کریں۔ ۲۵۰ء سے لے کر آج تک ان بدبخت لوگوں کو ۱۰۹ مقامات سے نکالا گیا ہے‘ لیکن فلسطین سے نکالنے کی ضرورت اس لیے پیش نہیں آئے گی —— کیونکہ یہی وہ جگہ ہے جہاں اِن تمام کا خاتمہ ہونا ہے۔ (ان شاء اللہ!) چنانچہ کیا خبر ٹرمپ کے اس شر سے ہی کوئی خیر کا پہلو نکل آئے۔

تاریخ کے اس نازک موڑ پر اُمتِ مسلمہ کو ایک اجتماعی موقف کو اپناتے ہوئے فلسطینیوں کے ساتھ اظہارِ یکجہتی کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے مقدس مذہبی مقام کو پنجۂ یہود سے نکالنے کے لیے ٹھوس حکمتِ عملی کو اپنانا چاہیے۔ جلد از جلد عالمِ اسلام کو اسرائیلی مظالم کے خلاف مضبوط موقف اختیار کرنا ہوگا‘ ورنہ جو حشر آج فلسطین کا ہو رہا ہے‘ وہی حال کل ہر مسلمان ملک کا ہو سکتا ہے‘ کیونکہ طوفان خیز موجوں میں دوسروں کی ڈوبتی کشتی کو اطمینان سے دیکھنے والے خود بھی زیادہ دیر تک موجوں کی قہر انگیزی سے محفوظ نہیں رہتے۔ ❀❀❀

میثاق‘ حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

حِزبُ التحریر

اجتہادِ تبنّٰی اور دیگر افکار و نظریات

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر ☆

جناب تقی الدین نبہانی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک فلسطینی اسکالر اور حزب التحریر کے بانی ہیں کہ جنہوں نے ۱۹۵۳ء میں اس کی بنیاد رکھی۔ حزب التحریر ڈیموکریسی اور کمیونزم کو کفریہ نظام کہتی ہے اور خلافت کے نظام کے قیام کی داعی ہے اور یہی یعنی خلافت کے نظام کا قیام اس کی بنیادی فکر شمار ہوتی ہے۔ جناب تقی الدین نبہانی، حسن البناء اور سید قطب رحمہما اللہ سے متاثر تھے، بلکہ بعض اخوانیوں کے بقول تو وہ کچھ عرصہ ''الاخوان المسلمون'' کے ساتھ بھی رہے اور سید قطبؒ نے تقی الدین نبہانیؒ سے کہا تھا کہ جب ''الاخوان المسلمون'' موجود ہے تو آپ کونئی جماعت بنانے کی ضرورت کیا ہے؟ اگرچہ حزب التحریر کے کارکنان اس کا سختی سے انکار کرتے ہیں لیکن میری رائے میں اس معاملے میں وہ غیر ضروری ہٹ دھرمی کا شکار ہیں کہ شاید اس میں ان کی جماعت کے بانی کے لیے کوئی تحقیر کا پہلو نکلتا ہے کہ انہوں نے اپنے زمانے کے کسی بڑے سے استفادہ کیا ہے۔ تقی الدین نبہانی کے حسن البناء اور سید قطب رحمہما اللہ سے فکری استفادے میں تو کوئی شک نہیں ہے، باقی متعین باتیں ثابت ہیں یا نہیں، اس بارے میں تیقّن سے تو کچھ نہیں کہا جا سکتا، البتہ دونوں طرف کی ابحاث کا مطالعہ کر لیا جائے تو بعض عقدے کھلتے ہیں۔

اصل میں ہمارے ہاں تحریکوں میں ایک عمومی رویّہ یہ پایا جاتا ہے کہ اپنی تحریک کے بانی اور قائد کو ایک مافوق الفطرت ہستی ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، تاکہ اس کی شخصیت کے

☆ ڈاکٹر حافظ محمد زبیر، اسسٹنٹ پروفیسر، کامسٹس انسٹی ٹیوٹ آف انفارمیشن ٹیکنالوجی، لاہور

(اس مضمون میں راقم نے اپنی ان تحریروں کو جمع کیا ہے جو کہ حزب التحریر پر نقد کے ضمن میں راقم کی فیس بک وال پر شائع کی گئیں۔)

ساتھ عقیدت قائم کر کے تحریک کے ساتھ ارکان کا رشتہ تعصب قائم کیا جا سکے۔ پھر اس تحریکی تعصب کے فوائد بھی ہیں، اس سے انکار نہیں ہے کہ عموماً کسی تحریک کے پھلنے پھولنے میں جو عوامل اہم کردار ادا کرتے ہیں، ان میں سے یہ ایک بنیادی عامل ہے۔

ناقدین یعنی عبدالرحمٰن دِمشقی کا اپنی کتاب ''حزب التحریر'' اور ''الموسوعة المسيرة'' کے مقالہ نگار اور جواد بحر النتشه کا اپنی ''قراء ات فی فکر حزب التحریر الاسلامی'' میں کہنا یہ ہے کہ حزب التحریر والے خبر واحد کو عقیدے میں حجت نہیں مانتے، پس یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک عذابِ قبر ثابت نہیں ہے، دجال کا خروج ثابت نہیں ہے، مہدی کی آمد کی ایک قصے سے زیادہ اہمیت نہیں ہے۔ نص اور عقل میں تعارض کی صورت میں عقل کو ترجیح حاصل ہوگی جبکہ نص کی تاویل ہوگی۔ بقول ناقدین تقی الدین نبہانیؒ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا صحابی ہونا ثابت نہیں ہے۔ ان کا فرمانا یہ بھی ہے کہ غیر محرم عورت سے مصافحہ کرنا اور اس کا بوسہ لینا جائز ہے، غیر محرم کو بے لباس دیکھنا جائز ہے، جس سے فحش فلمیں دیکھنے کا جواز بھی نکلتا ہے۔

ناقدین کا کہنا یہ بھی ہے کہ حزب التحریر والے شیعہ سنی تفریق کے قائل نہیں ہیں، بلکہ ایرانی انقلاب کے موقع پر ان کے وفد نے علامہ خمینی کو پیشکش کی تھی کہ اگر آپ ''خلافت'' کا اعلان کر دیں تو ہم آپ کی حمایت کریں گے، لیکن ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ خلافت نہیں ''امامت'' کے قائل ہیں جو خلافت سے اونچا درجہ ہے، لہٰذا وہ ''امام'' سے ''خلیفہ'' کیوں کر بنیں گے؟

بہر حال میں حزب التحریر کے بہت سے جوانوں کے ساتھ ملا ہوں اور میری ان کے بارے میں ذاتی رائے یہی ہے کہ ''علم کی کمی'' اور ''خود اعتمادی'' کو جمع کر لیں تو حزب التحریر کا رکن بننے کے اوصاف مکمل ہو جاتے ہیں۔ جب بھی آپ کو ان سے واسطہ پڑے گا تو رٹی رٹائی اصولِ فقہ اور اس کی بھاری بھرکم اصطلاحات مثلاً سد الذرائع، قاعدہ فقہیہ وغیرہ ضرور سننے کو ملیں گی اور اس اعتماد کے ساتھ کہ جیسے وہ کسی مدرسہ میں اصولِ فقہ کا بیس سال سے استاذ ہو اور اگر علامہ قرضاوی بھی اس کے سامنے بیٹھے ہوں اور اسے معلوم نہ ہو کہ یہ قرضاوی ہیں تو وہ انہیں بھی اصولِ فقہ سمجھانے بیٹھ جائے گا۔ یہ خاص قسم کا اعتماد یا تو ہارورڈ کے گریجویٹس کے پاس ہے کہ جنہیں اس کی خصوصی ٹریننگ دی جاتی ہے کہ آپ نے بکواس بھی اس اعتماد کے ساتھ کرنی ہے کہ آپ ہارورڈ کے گریجویٹ ہیں یا پھر حزب التحریر کے بعض پُرجوش کارکنوں

کے پاس ہے۔

میری نظر میں انہیں بہت زیادہ اخلاقی اور روحانی تربیت کی ضرورت ہے کہ جس کی طرف ان کی جماعت کی بالکل توجہ نہیں ہے اور نہ ہی وہ ان کی ترجیحات میں شامل ہے۔ انہوں نے محض خلافت کے فکری مبلّغ تیار کیے ہیں جو علمی و اخلاقی بحران کا شکار ہیں' لیکن نوجوان ہیں' خود اعتماد ہیں' دنیاوی طور پر پڑھے لکھے ہیں' علومِ دینیہ سے ناواقف ہیں' فرفر انگریزی بولنے والے ہیں اور زیادہ تر لوگ ان کی اسی آخری صفت کی وجہ سے ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ حزب التحریر کے افکار کے بارے میں تفصیلی مطالعہ کے لیے عبدالرحمٰن دمشقی کی کتاب ''حزب التحریر'' ایک عمدہ کتاب ہے۔

جب مصر' اردن اور شام میں حزب التحریر کے افکار پھیلنے سے ''الاخوان المسلمون'' کے اراکین میں بے چینی پیدا ہوئی تو سید قطبؒ نے ''اخوانیوں'' کو مشورہ دیا تھا کہ ''حزب'' کے اراکین کے ساتھ نہ اُلجھیں' یہاں تک کہ یہ بھی وہاں پہنچ جائیں کہ جہاں سے اخوانیوں نے اپنے کام کا آغاز کیا ہے —— شیخ حامد کمال الدین صاحب نے اس موضوع پر اپنے مجلّہ ''ایقاظ'' میں ایک آرٹیکل بھی شائع کیا ہے —— بلکہ سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک ان کے بارے میں ''اخوانیوں'' سے کہہ دیا تھا: ''**لا تجادلوهم دعوهم للأيام يموتوا**'' یعنی ان سے بحث مت کرو اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو' یہ خود ہی ختم ہو جائیں گے۔ علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی حزب التحریر کے حدیث کے بارے میں افکار کے رد میں ایک تفصیلی مقالہ موجود ہے۔

حزب التحریر کا کہنا یہ ہے کہ سید مودودیؒ کے ان جملوں کا کوئی حوالہ موجود نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ جملے ایک سے زائد ناقدین نے اپنی کتب اور تحریروں میں ذکر کیے ہیں اور سید مودودیؒ کی کسی تحریر میں ان کا نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ انہوں نے یہ نہیں کہا تھا۔ بہرحال امکان دونوں باتوں کا ہے کہ انہوں نے یہ کہا ہو یا نہ کہا ہو۔ البتہ جس شخص کا بھی حزب التحریر کے دو چار جوانوں سے واسطہ پڑا ہوگا' وہ تو ضرور یہ یقین کر لے گا کہ سید مودودیؒ نے ان کے بارے میں یہ جملے ضرور ہی کہے ہوں گے۔ باقی ہماری آپ پر نقد کی بنیاد محض یہ جملے نہیں ہیں' یہ تو اضافی طور نقل کیے گئے ہیں۔

بعض باتوں کا جواب حزب التحریر والے یوں دیتے ہیں کہ جسے ہم اپنی زبان میں یہ کہتے

ہیں کہ ''سوال گندم اور جواب چنا''۔ یعنی ناقدین کا اعتراض یہ ہے کہ تقی الدین نبہانی صاحبؒ نے یہ فتویٰ جاری کیا تھا کہ غیر محرم عورت کا بوسہ لینا جائز ہے' اور جواب یہ دیا جاتا ہے کہ حزب التحریر والے شافعی المسلک ہیں لہٰذا ان کے نزدیک کسی عورت کو چھونا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ کمال ہے! بھائی' یہ واضح کریں کہ ناقدین نے کیا تقی الدین نبہانی صاحب کے فتاویٰ اور تحریروں کے اسکین شدہ پیجز لگا کر جھوٹ بولا ہے اور تقی الدین نبہانیؒ کا واقعتاً ایسا کوئی فتویٰ نہیں تھا؟ اگر حزب التحریر نے نبہانی صاحبؒ کے بعض فتاویٰ کو نہیں لیا تو یہ بہت اچھی بات ہے اور قابلِ تحسین ہے' لیکن اسے کھل کر بیان تو کریں کہ نبہانیؒ صاحب سے غلطی ہو گئی تھی یا حزب التحریر کے حالیہ امیر کو ان کے فتاویٰ سے اتفاق نہیں ہے' کیونکہ یہ اجتہاد ''تبنّی'' نہیں ہے۔ اس قسم کے رویوں سے اگر آپ اپنے بانی کو معصوم ثابت کرنے کی کوشش کریں گے تو یہ نقد مزید مستند ہو جائے گی۔

حزب التحریر کے جوشیلے کارکنوں کا کہنا ہے کہ ان کے خلاف جو تحقیق کی گئی ہے' وہ ویب پیجز سے پیش کی گئی ہے' لہٰذا مستند نہیں ہے۔ اور بعض کا کہنا یہ بھی ہے کہ ہمارے بارے میں یہ تحقیقات سنی سنائی باتوں پر مبنی ہیں اور ناقدین نے ہمارے لٹریچر کا مطالعہ نہیں کیا ہے۔ اور بعض کا کہنا یہ ہے کہ ہمارے فکر کو بغیر سمجھے ہم پر نقد کی گئی ہے۔ بہرحال میرے پاس اس وقت حزب کی پندرہ کتابیں انگریزی میں' دس عربی میں اور دو کتابیں اردو میں ہیں۔ جو پندرہ انگریزی اور دس عربی والی ہیں' وہ تو ان کی آفیشل ویب سائیٹ سے لی گئی ہیں جبکہ جو دو اردو والی ہیں: ''ریاست خلافت کی حکومتی اور انتظامی تنظیم'' اور ''تبدیلی لانے کے لیے حزب التحریر کا منہج'' تو وہ حزب التحریر کے ساتھیوں نے دی تھیں۔ ہم نے اپنی مذکورہ بالا تحریروں میں حزب کی بعض عربی اور انگریزی کتب کے حوالے نقل کیے ہیں۔ باقی حزب التحریر کے اراکین سے گاہے بگاہے ملاقاتیں بھی رہی ہیں کہ جن میں ان کی فکر براہِ راست ان سے سمجھنے کی کوشش کی گئی' بلکہ راقم تو اُس تأسیسی پروگرام میں بھی حاضر تھا جو سترہ اٹھارہ برس قبل ایوانِ اقبال میں منعقد ہوا تھا۔ نیز حزب کے ایک قائد نے جب ''حزب التحریر'' سے علیحدہ ''المہاجرون'' کی بنیاد رکھی تو یہاں پاکستان میں بھی اس تنظیم کو دیکھنے اور پڑھنے کا موقع ملا' بلکہ حزب کے اکثر ساتھیوں سے میرا یہی سوال ہوتا تھا کہ یہ ''المہاجرون'' والے آپ سے علیحدہ کیوں ہوئے؟ اس زمانے میں

ایک اور تنظیم بھی ''حرکۃ الخلافۃ'' کے نام سے تھی۔ اب یادداشت میں تازہ نہیں ہے کہ یہ وہی ''المہاجرون'' تھے یا یہ بھی کوئی ان سے علیحدہ ہونے والا دھڑا تھا۔ آج البتہ ان دو مؤخر الذکر جماعتوں کا کوئی وجود نظر نہیں آتا' شاید مرورِ زمانہ کے ساتھ مٹ گئی ہیں۔

باقی حزب پر جن لوگوں نے نقد کیا ہے' ان میں عبدالرحمٰن دِمشقی کا نام بہت معروف ہے' لیکن حزب والے انہیں جھوٹا کہتے ہیں کہ اس نے حزب پر بے جا الزام لگائے ہیں۔ تاہم جس نے بھی عبدالرحمٰن دِمشقی کی کتاب ''حزب التحریر'' پڑھی ہے تو اسے معلوم ہے کہ عبدالرحمٰن دِمشقی نے اپنی کتاب میں حزب کی کتابوں کے عکس تک دیے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ عبدالرحمٰن دمشقی نے بیس باتوں میں سے دو باتیں بغیر حوالہ کے بھی کر دی ہوں' لیکن اگر اس منطق سے حزب والے اپنے خلاف مکمل تنقید کو نابود کرنا چاہتے ہیں' تو وہ اتنا آسان نہیں ہے۔

پھر یہ باتیں صرف عبدالرحمٰن دِمشقی نے نہیں کی ہیں بلکہ اوروں نے بھی کی ہے۔ یہی باتیں فرق وادیان کے معروف ترین انسائیکلوپیڈیا ''**الموسوعة المسيرة**'' میں بھی موجود ہیں۔ پھر جواد بحر النتشہ نے اپنی کتاب ''**قراء ات فی فکر حزب التحریر الإسلامی**'' میں یہی باتیں با حوالہ لکھی ہیں' بلکہ مؤخر الذکر نے تو ان کے فتاویٰ کے عکس بھی پیش کیے ہیں اور ان کے مجلّات اور کتابوں کے حوالوں کے ساتھ ان کے اسکین شدہ پیجز لگائے ہیں۔ تو اتنا آسان نہیں ہے یہ کہہ کر ٹالنا کہ سب جھوٹ اور بہتان ہے اور یہ آپ کی فکر نہیں ہے۔

حزب التحریر اور اجتہادِ ''تبنّی'' کی بدعت

حزب التحریر کی بنیادی ترین گمراہی ان کا اجتہادِ ''تبنّی'' کا اصول ہے۔ اس اصول کے مطابق خلیفہ جب مختلف اجتہادی اقوال میں سے ایک قول کو اختیار کر لیتا ہے تو بقیہ مجتہدین کے لیے لازم ہے کہ وہ خلیفہ کے اجتہاد کے مقابلے میں اپنے اجتہاد سے نہ صرف دستبردار ہو جائیں بلکہ ان کے لیے اپنے اجتہاد پر عمل کرنا بھی جائز نہیں رہ جاتا' چہ جائیکہ کوئی دوسرا ان کے اجتہاد پر عمل کرے۔ یہ قانون کے ڈنڈے کے ذریعے دوسروں کو اپنا جبری مقلد بنانے کی بدترین صورت ہے کہ جسے خلافت کے نام پر پیش کیا جا رہا ہے۔ تقی الدین نبہانیؒ فرماتے ہیں:

"وهناك احكام و أفكار وآراء قد اختلف المسلمون فی فهمها، وفهمها كل مجتهد خلاف فهم الآخر، مثل صفات الخليفة، وأخذ العشر على

الأرض الخراجية، وإجارة الأرض، وغير ذلك، فهذه الأحكام المختلف فيها يتبنى الخليفة رأيًا منها فتصبح طاعته واجبة على الجميع، وحينئذٍ على كل من يفهم رأيًا غير الرأى الذى أمر به الإمام أن يترك رأيه ويعمل برأى الإمام فقط، لأن أمر الإمام يرفع الخلاف، وطاعة الإمام فى ذلك واجبة، ويجب أن ينفذ المسلمون جميعاً أمر الخليفة فيما يتبناه من أحكام، لأن أمره نافذ ظاهرًا و باطنًا أى فى السر والعلانية، ويأثم كل من عمل بحكم شرعى غير الحكم الذى تبناه الإمام وأمر به'ل أنه بعد أمر الخليفة يعتبر الحكم الشرعى فى حق المسلمين هو ما أمر به الإمام، وما عداه لا يعتبر حكمًا شرعيًا بحق المسلمين۔ لأن الحكم الشرعى فى المسألة الواحدة لا يتعدد بحق الشخص الواحد ..... وكذلك لا يتبنى الخليفة شيئًا فى العبادات لأن هذا التبنى يجعل المشقة على المسلمين فى عباداتهم، ولذلك لا يأمر برأى معين فى العقائد مطلقًا ما دامت العقيدة إسلامية، ولا يأمر بحكم معين فى العبادات ما عدا الزكاة والجهاد وتحديد العيدين، ما دامت هذه العبادات أحكامًا شرعية، ويتبنى فيما عدا ذلك فى المعاملات جميعها، من بيع وإجارة وزواج وطلاق ونفقة وشركة وكفالة.....الخ وفى العقوبات جميعها من حدود وتعزير، وفى المطعومات والملبوسات والأخلاق، وعلى المسلمين أن يطيعوه فيما تبناه۔" [الدولة الاسلامية : ص ١٤٢۔ ١٤٣]

"There are several rules and thoughts on which the Muslims differed, due to each Mujtahid understanding an issue differently from the other. For example, the prerequisite of the Khaleefah or the taking of the tithe on the Kharaj land or the rental of land, amongst others. In the case of such laws, the Khaleefah adopts an opinion and obedience becomes compulsory on everyone. Everyone who holds a different opinion to that adopted by the Khaleefah should abandon that opinion and comply with the Imams opinion. Thus, the opinion of the Imam settles all the differences and the obedience to the Imam is compulsory on everyone. The Muslims are all obliged to execute the order of the Khaleefah concerning the opinions which he adopts and his opinion is binding on them, both publicly and privately. Whoever

implements a Divine rule other than the one adopted by the Imam will be sinful. Once the Khaleefah enacts a Shariah rule it becomes binding upon all Muslims. The Shariah rule concerning one issue cannot be multiple for one personAlso, the Khaleefah should not adopt any particular law which concerns matters related to worship because this too would lead to a hardship for the Muslims. Therefore, the Khaleefah should not adopt any particular opinion in matters of Aqeedah as long as these were Islamic, and he does not adopt any particular law in matters of worship, except for Zakat, as long as these acts of worship are approved Divine laws. Other than that, the Khaleefah can adopt and enact any particular law related to transactions, ranging from buying and selling, renting, marriage, divorce, alimony, business partnership, custody, etc. He can also enact and adopt a particular law concerning the penal code, or concerning diet, clothing or moral issues, and the Muslims are obliged to obey him in whatever he adopts."
(Islamic State: pp. 137-138)

اس کا جواب حزب التحریر کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ یہ تو مختلف فیہ مسائل میں ایک قول کو اختیار کرنے کی بات ہے جو کہ ہر مجتہد کرتا ہے۔ بھائی' بات اتنی سادہ نہیں ہے کہ جتنی سادگی سے آپ اسے ریسپانڈ کر رہے ہیں۔ آپ یہاں ایک قول کو اختیار کرنے نہیں بلکہ اپنے اجتہاد کو دوسروں پر جبراً نافذ کرنے کی بھی بات کر رہے ہیں' یعنی آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ حنفی خلیفہ کو یہ اختیار ہے کہ شافعی کو قانون کے جبر اور زور پر حنفی بنائے اور شافعی خلیفہ کو یہ اختیار ہے کہ قانون کے جبر اور زور پر حنفی کو شافعی بنائے۔ یہ تو بدترین تشدد ہے جو خلافت کے نام پر روا رکھا گیا ہے۔ پھر آپ صرف اتنا نہیں کہہ رہے کہ خلیفہ کی اجتہادی رائے نافذ ہونے کی صورت میں بقیہ مجتہدین کو اس قانونی اجتہادی رائے کی پابندی کرنی ہوگی' بلکہ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ دوسرے مجتہدین کو یہ اجازت نہ ہوگی کہ وہ اپنی اجتہادی رائے کا اظہار بھی کر سکیں یا اس پر عمل بھی کر سکیں۔ یعنی نکاح طلاق کے مسائل میں اب حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی اور سلفی وغیرہ خلیفہ کے مقلد ہوا کریں گے اور ظاہری بات ہے کہ یہ حزب التحریر کا ہی منتخب کردہ خلیفہ ہوگا۔

چلیں' اس کو ایک اور طرح سے سمجھیں کہ کیا تمام فقہاء اور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خلیفہ اپنے عوام کو اپنی اجتہادی آراء کا پابند بنا سکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جمہور علماء اس کے خلاف ہیں' خلیفہ کسی قاضی کو بھی اپنے اجتہادی رائے کا پابند نہیں بنا سکتا' چہ جائیکہ پوری امت کو بنا دے۔ اگر خلیفہ ایسا کرنے کی کوشش کرے گا تو امت میں خون خرابہ اور فساد برپا ہوگا' کیونکہ کوئی بھی اپنے مسلک اور اجتہادی رائے سے دستبردار نہیں ہونا چاہتا۔ چنانچہ یہ مسئلہ خود مختلف فیہ ہے کہ خلیفہ دوسروں پر اپنا اجتہاد نافذ کر سکتا ہے یا نہیں' تو کیا آپ بقیہ مسالک پر اس کو ریاستی جبر کے زور پر نافذ کرو گے؟ اور ان کا کہنا یہ بھی ہے کہ خلیفہ کے اجتہادِ ''تبنّی'' کے مقابلے میں بقیہ مجتہدین اپنی اجتہادی آراء سے دستبردار ہو جائیں گے' نہ تو ان پر عمل کریں گے اور نہ ہی ان کی تبلیغ کر سکیں گے۔ تو جناب یہی تو بدترین تقلید ہے اور اسی تقلید کو حزب التحریر نے اپنے امیر کو مجتہد مطلق کے مقام پر فائز کر کے اپنی جماعت میں بھی جاری کر رکھا ہے کہ کسی کارکن کو یہ اختیار نہیں ہے کہ امیر کے اجتہاد کی مخالفت کرے یا اس پر عمل نہ کرے یا اس کے خلاف تبلیغ کرے۔ پس یہ نہ صرف خلافت کے قیام کی جدوجہد کے نام پر اپنے لیے مطلق العنانیت (absolute authority) حاصل کرنے کا حیلہ ہے بلکہ اپنی جماعت میں بھی اپنے کارکنان کو اپنا اندھا بہرا مقلد بنانے کی نامسعود کاوش ہے۔

اگرچہ یہ حزب التحریر کی بہت بڑی خوبی ہے کہ ان میں عسکریت پسندی (militancy) نہیں ہے' لیکن یہ سب طاقت کے حصول سے پہلے ہے۔ اس لیے کہ اگر انہیں کوئی زمین کا ٹکڑا مل گیا تو ہمیں اندیشہ ہے کہ اجتہادِ ''تبنّی'' کی وجہ سے ریاستی جبر و استبداد کے امکانات بڑھ جائیں گے' اس لیے کہ ان کی فکر میں اس اجتہاد سے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے' جبکہ انسانی نفسیات میں اس فکری جبر کو برداشت کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔

حزب التحریر کے لٹریچر میں دو طرح کی کتب ہیں: ''**کتب متبناہ**'' اور ''**کتب غیر متبناہ**''۔ ''**کتب متبناہ**'' سے مراد وہ کتابیں ہیں جو ان کے امام کے اجتہاد تبنّی پر مبنی ہیں' جیسا کہ اسلام میں اجتماعی نظام' اسلام میں سیاسی نظام' اسلام میں نظامِ حکومت' نظامِ اسلامی' اسلامی ریاست' اسلامی ریاست کا مجوزہ دستور اور خلافت وغیرہ کے عناوین سے کتب ہیں۔ ان کتب سے کسی رکن کو اختلاف کی اجازت نہیں ہے' نہ ان کے خلاف عمل جائز ہے اور نہ ہی

ان کے خلاف افکار کی دعوت جائز ہے۔ یعنی اس اصول کی رو سے کیا حزب التحریر کے حالیہ امیر' اب امت میں حضرات ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) والا احترام اور مقام پائیں گے؟ بہتر ہے کہ اب اس فریب نظری (fantasy) سے نکل آئیں' ورنہ امت میں پہلے ہی بہت خون خرابہ ہو چکا ہے' مزید کی ہمت نہیں ہے۔ خلیفہ اب شورائیت کا پابند ہوگا تو خلافت کا نظام چلے گا' ورنہ نہیں۔ اور یہ شوریٰ تمام مسالک اور مذہبی جماعتوں کی شوریٰ ہوگی' اور اختلاف کی صورت میں خلیفہ کی انفرادی نہیں بلکہ شوریٰ کی اکثریتی رائے نافذ ہوگی تو کام چل سکے گا' ورنہ مسالک اور فرق کا تصادم ناگزیر ہے۔

حزب التحریر کی بنیادی فکری غلطی ان کا اجتہادِ ''تبنّی'' کا بدعی اصول ہے۔ ان سے سوال صرف اتنا ہے کہ یہ اصطلاح آپ سے پہلے کس نے استعمال کی ہے؟ آپ ایک روایت کا حصہ ہیں' مسلم روایت کا' اور آپ اپنے بنیادی فکر کی بنیادی ترین اصطلاح کو اس روایت سے لنک کر دینے سے محروم ہیں' تو آپ کا فکر مسلمانوں کا روایتی فکر تو نہ ہوا' یہ تو سب آپ کی اپنی اختراع ہے۔ اس اصول کے ذریعے خلیفہ کو آپ نے چیف جسٹس' آرمی چیف' پرائم منسٹر اور صدر کے جمیع اختیارات دے دیے ہیں[1] تو یہ بدترین فسطائیت نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

---

(1) *The Khalifah possesses the following powers:*

a. He is the one who adopts the Shariah rules derived by a correct Ijtihad from the Book of Allah (swt) and the Sunnah of his Messenger necessary for managing the affairs of the Ummah so that they become laws (Qawanin) which are obligatory to obey, and it is not permitted to oppose them.

b. He is responsible for governing the domestic and foreign affairs of the State, and he takes command of the Army; he has the right to announce war, to sign peace treaties, truces and all other types of agreements.

c. He is the one who can accept or reject foreign ambassadors and appoint and remove the Muslim ambassadors.

d. He is the one who appoints and removes the assistants and governors. They are all responsible to him as they are responsible to the Shura council. ⇢

اس طرح کی خلافت اور بادشاہت میں کیا فرق ہے؟ جسے آپ ملوکیت کہتے ہیں' تو اس ملوکیت کے نظام میں جو اختیارات بادشاہ کے تھے' وہ سب آپ نے ''خلیفہ'' کو عنایت فرما دیے۔ اور اب خلافت اور ملوکیت میں بس اتنا سا فرق باقی رہ گیا کہ ملوکیت میں بیٹا اپنے باپ کی جگہ لے سکتا ہے جبکہ خلافت میں یہ چیز ضروری نہیں ہے' جبکہ یہ بھی حقیقی فرق نہیں ہے۔ اگر شوریٰ ہی بیٹے کا بطور خلیفہ انتخاب کر لے گی تو آپ کے پاس لوگوں کو خلیفہ اور بادشاہ کا فرق بتلانے کے لیے کیا باقی رہ جائے گا؟ تو عرض یہ ہے کہ جہاں آپ طاقت کو جمع کریں گے' وہاں فساد برپا ہوگا۔ آج کے خلیفہ ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) نہیں' بلکہ آرمی چیف اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ہوں گے' اگر ہوئے تو! آج حافظ سعید صاحب یا سراج الحق صاحب کو کوئی خلیفہ نہیں بنائے گا اور یہ آپ کو بھی معلوم ہے' اسی لیے تو آپ نصرت فوج سے ہی طلب کر رہے ہیں نہ کہ اسلامی جماعتوں اور مذہبی تحریکوں سے۔

پھر خلافت قائم کرنے کے طریق کار (methodology) پر بھی غور کریں کہ وہ دو نکات کے گرد گھومتا ہے: ہجرت اور نصرت۔ اہلِ مکہ نے ہجرت کی' اہلِ مدینہ نے نصرت کی تو اسلام غالب ہوگیا۔ اب وہ مسلمان حکومتوں سے نصرت طلب کرتے ہیں کہ وہ خلافت کا نظام قائم کریں۔ پاکستان میں وہ یہ کام فوج کے ذریعے کرنا چاہتے ہیں کہ ان کے بقول یہاں اصل حکومت فوج کی ہے۔ آسان الفاظ میں انہیں کوئی ایسا جرنیل چاہیے جو ان کی دعوت پر خلافت

⇢ *e. He is the one who appoints and removes the head judge and judges with the exception of the Madhalim judge in the event of his looking into a case regarding the Khalifah, his assistants or his head judge. He also has the power to appoint and remove the department managers, the commanders of the army, and its generals. All of these are responsible to him and not to the Shura council.*

f. He is the one who adopts the Shariah laws according to which the budget of the State is decided, beside the sections of the budget and the amounts allocated to each aspect, irrespective to whether it was related to revenue or expenditure. (The Draft Constitution: pp. 239-240)

قائم کر دے۔ پھر اس منہج کو مسنون کہنے پر اصرار کرنا چہ معنی دارد؟ حالانکہ اسے منسوخ کہنا چاہیے کہ صحیحین میں مذکور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق ''فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں ہے'' یعنی دین کے غلبہ کے لیے نہیں ہے' ویسے تو ہے۔

تو خلاصہ یہ ہوا کہ آرمی چیف اگر حزب التحریر کی دعوت قبول کر لیتے ہیں اور اپنے خلیفہ ہونے کا اعلان کر دیتے ہیں تو خلافت قائم ہو جائے گی۔ اب انہیں چیف جسٹس' پرائم منسٹر اور صدر کے اختیارات بھی حاصل ہو جائیں گے اور وہ حضرت خلیفہ وامیر المؤمنین مدظلہ تعالیٰ بن جائیں گے۔ وہی اجتہاد ''تبنّی'' فرمائیں گے جو تمام امت پر نافذ ہوگا' فقہی اختلافات بھی ختم ہو جائیں گے بلکہ مجتہدین بھی۔ شوپیس کے طور پر وہ ایک ڈمی شوریٰ بنائیں گے' جیسے کہ حضرت ضیاء الحق صاحب کی مجلس شوریٰ تھی اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو اپنی بیعت کا حکم فرمائیں گے۔ پھر جو انکار کرے گا' وہ باغی متصور ہوگا اور باغی کا حکم قتل کا ہے۔

ان کی دلیل ہے کہ ایک خلیفہ کے بعد دوسرا خلافت کا اعلان کرے تو واجب القتل ہے۔ حالانکہ یہ روایت اُس ماحول کی ہے جہاں امت ایک جان تھی' جبکہ اب امت ستر ریاستوں میں منقسم ہے۔ اور اُس وقت میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ اس حدیث کی بنا پر جاری نہیں کیا تھا' حالانکہ انہوں نے ان کی زندگی میں ہی اپنی خلافت کا اعلان کر دیا تھا۔ اسی طرح عرب میں بنو عباس کی خلافت کے ساتھ اسپین میں بنو امیہ کی خلافت قائم رہی۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ دین نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ ایک وقت میں دو خلافتیں جائز ہیں جبکہ علاقے دور دور ہوں۔

حزب التحریر اور اجتہادِ ''تبنّی'' کی دلیل

اجتہادِ ''تبنّی'' کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ خلفائے راشدین کے دور میں خلیفہ جو اجتہاد کرتے تھے تو وہ نافذ ہوتا تھا' لہٰذا آج بھی خلیفہ جو اجتہاد کرے گا تو وہ بطور قانون نافذ ہوگا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ خلفائے راشدین کے دور میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خلفاء کے اجتہادات سے اختلاف کیا' جو اس بات کی صریح دلیل ہے کہ مکلّف پر ''حق'' کی اتباع فرض ہے' نہ کہ ''خلیفہ'' کے اجتہاد کی۔ اگر مکلّف یہ سمجھتا ہے کہ ''حق'' خلیفہ کے اجتہاد کے ساتھ نہیں ہے تو خلیفہ کو کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اسے اپنے اجتہاد کا بذریعہ قانون پابند کرے کہ نص

نے ہمیں ہر حال میں ''حق'' کی اتباع کا حکم دیا ہے۔

یہی رائے مالکیہ' شافعیہ' حنابلہ اور حنفی فقہاء کی ایک جماعت کی ہے اور سعودی عرب کی کمیٹی ''هيئة كبار العلماء'' کا بھی یہی فیصلہ ہے۔ تفصیل کے لیے ششماہی ''رشد'' جولائی ۲۰۰۴ء میں شائع شدہ ہمارا مقالہ دیکھیں جو اسلامی یونیورسٹی میں منعقدہ ایک کانفرنس میں پڑھا گیا تھا۔ امام مالک رحمہ اللہ سے جب خلیفہ المنصور نے کہا کہ آپ کی ''المؤطا'' کو ہم نافذ کر دیتے ہیں تو انہوں یہی کہہ کر انکار کیا کہ مجھے یہ حق کہاں سے حاصل ہو گیا کہ دوسروں کو بذریعہ قانون میری فقہی رائے کا پابند بنا دیا جائے؟

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی عورت سے شادی کر لی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں خط لکھا کہ اسے طلاق دے دیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا کہ کیا وہ مجھ پر حرام ہے؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ حرام تو نہیں ہے' لیکن میں اس لیے منع کر رہا ہوں کہ تم ان کی بدکار عورتوں سے شادی کر بیٹھو گے۔ مصنف عبد الرزاق کی روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے کے باوجود طلاق نہ دی' البتہ بعد میں طلاق دے دی تھی۔ بعض آثار میں یہ بھی ہے کہ بعد میں کسی نے ان سے پوچھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر طلاق نہ دی اور بعد میں خود سے دے دی؟ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ میں عمر رضی اللہ عنہ کو یہی بتلانا چاہتا تھا کہ جس چیز کو اللہ نے حلال کیا ہے' عمر رضی اللہ عنہ کو کوئی حق نہیں ہے کہ وہ اس سے روک سکیں۔ باقی ان کی توجیہہ مناسب تھی' لہٰذا میں نے طلاق دے دی۔

دوسری بات یہ ہے کہ خلفائے راشدین کے جو اختیارات تھے وہ ''عمل صحابہ'' ہے اور ہمارے فقہاء اور اصولیین کا اس میں اتفاق نہیں ہے کہ ''قولِ صحابی'' حجت ہے یا نہیں؟ چہ جائیکہ ''عمل صحابی'' کو مصدر شریعت (source of Islamic law) بنایا جائے۔ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس بات پر صحابہ کا اجماع ہو گیا تھا کہ خلفائے راشدین کے یہ اختیارات ہیں' تو اس میں نکتہ یہ ہے کہ اجماع تو اس پر ہوا تھا کہ یہ اختیارات ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے لیے ثابت ہیں۔ کیا صحابہ کا اس پر بھی اجماع ہوا تھا کہ جو اختیارات انہوں نے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے لیے پسند کیے ہیں' وہ بعد میں آنے والے تمام خلفاء کو بھی دیے جائیں؟ پس ہر خلیفہ کے لیے ان اختیارات کا ہونا کیسے ثابت ہو گیا؟ یہاں زیادہ سے زیادہ جو بات نکالی جا سکتی ہے' وہ یہ ہے کہ

ابو بکرؓ اور عمرؓ خلیفہ ہوں تو امت نے انہیں ایسے اختیارات دیے ہیں۔ اور آج ایسا کون ہے؟
امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا کہ میرے والد نے مجھے کہا ہے کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے دوں۔ امام صاحب نے کہا کہ طلاق مت دو۔ اس نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بیٹے کی شکایت کی تھی کہ میں نے عبداللہ کو کہا ہے کہ بیوی کو طلاق دے دے اور وہ نہیں دے رہا' تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو بلوا کر حکم دیا تھا کہ اپنے والد کی اطاعت کرو۔ امام صاحب نے اس شخص کی یہ دلیل سن کر کہا کہ تمہارا باپ عمر نہیں ہے —— شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ ''**الفتاوى الجامعة للمرأة المسلمة**'' میں اس واقعے کا تذکرہ ملتا ہے۔

[نوٹ: اس مضمون کے جملہ مندرجات سے ادارہ میثاق کا اتفاق ضروری نہیں!]

❁ ❁ ❁

داعیٔ قرآن ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی فکر انگیز تالیفات

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اسلامی انقلاب
کے مراحل و مدارج اور لوازم

منہجِ انقلابِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

مجلد 400 روپے، غیر مجلد 200 روپے

سیرت مطہرہ کے دل پذیر موضوع پر ڈاکٹر صاحب
کی زندگی کے آخری خطابات کا مجموعہ

سیرتِ خیرُ الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام

صفحات 240، قیمت 180 روپے

مغرب اور سیکولرازم کی دہشت گردی کی تاریخ

مولانا ابن الحسن فاروقی ☆

مولانا ابن الحسن فاروقی مدظلہ کا اصل مضمون ''چند علماء سے مکالمہ'' جناب عمار خان ناصر کے نقد میں لکھا گیا ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ جناب عمار خان ناصر نے ماہنامہ ''الشریعہ'' میں شائع ہونے والے اپنے ایک مضمون میں مشال خان کے قتل کو اسلامی تاریخ کی بدترین دہشت گردی اور سفاکی قرار دیا تھا اور اس کے مقابلے میں سیکولرازم کے قصیدے پڑھتے ہوئے اسے انسانی حقوق کا علمبردار قرار دیا تھا۔ مولانا ابن الحسن فاروقی مدظلہ نے اس کے جواب میں ایک طویل مضمون تحریر کیا جس میں انہوں نے سیکولرازم، لبرل ازم اور مغرب کی جدید ریاست (جمہوریت) کی دہشت گردی کی تاریخ بیان فرمائی۔ اس طویل مضمون کا خلاصہ سہ ماہی ''الصدیق'' بام خیل (صوابی) میں شائع ہوا ہے، جو مؤقر جریدے کے شکریہ کے ساتھ قارئین میثاق کی نذر کیا جا رہا ہے۔

روایتی الہامی مذہبی تہذیبوں میں تشدد، سزا، تکلیف کسی خاص فرد یا خاص گروہ (particular person or group) تک محدود ہوتی تھی اور جنگ صرف محاربین (combanant) کے خلاف لڑی جاتی تھی۔ لہٰذا جو ہتھیار، اوزار ایجاد ہوتے تھے ان کی تباہی محدود ہوتی تھی، غیر محاربین (non combatant) اس سے محفوظ رہتے تھے۔ جنگیں شہر سے باہر غیر آباد جگہوں میں لڑی جاتی تھیں، لہٰذا جدیدیت (ماڈرن ازم) سے پہلے تشدد موضوعی (subjective violence) تھا۔ تلوار، تیر، خنجر، نیزے، منجنیق کسی فرد یا عمارت کو نشانہ بنانے کے لیے تھے۔ وہ غیر محارب آبادیوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے نہیں تھے، ان کا نشانہ صرف اور صرف فرد تھا۔ قدیم جنگی ٹیکنالوجی اشیاء کو نشانہ نہیں بناتی تھی، لہٰذا قدیم تشدد، عہد حاضر کے جدید انسان کو بہت بھیانک اور خوفناک لگتا ہے، کیونکہ اس میں تشدد کرنے والا اور سہنے والا آمنے سامنے ہوتے ہیں، لیکن جدید ٹیکنالوجیکل تشدد، جو روایتی تشدد کے مقابلے میں کئی ہزار گنا بھیانک، بہیمانہ، جابرانہ اور نہایت سفاک ہے، اپنی جمالیات، تکنیک، واردات کے ذریعے بہت پرامن، بہت شریف اور بہت معصوم لگتا ہے۔ جدید مغربی عسکری طریقے افراد (person killing) نہیں، اشیاء، عمارتوں، آبادیوں اور چیزوں کو مارتے ہیں۔ یہ thing killing طریقہ

☆ مدیر اعلیٰ نوادرات اکیڈمی ساہیوال

جنگ ہے۔ ایک میزائل سے سو ڈان میں دواؤں کی فیکٹری تباہ کر دی گئی، بہ ظاہر صرف شے (thing) اور عمارت (building) تباہ ہوئی ہے مگر اصلاً لاکھوں لوگ دوائیں نہ ملنے سے مر جائیں گے۔ ہسپتال، پانی کے ذخائر، بجلی گھر، کھیت تباہ کر دیے جاتے ہیں، لاکھوں لوگ بھوک، پیاس اور علاج نہ ہونے سے مر جاتے ہیں، مگر اس کی ذمہ داری قاتل تہذیب پر عائد نہیں ہوتی، اس لیے کہ اس نے انسانوں کو قتل نہیں کیا، اس نے تو انسانوں کو بچانے اور انسانیت کے فروغ کے لیے صرف اور صرف چیزوں، اداروں اور عمارتوں کو تباہ کیا ہے اور انسان کو زندگی بخشی ہے۔

جدید ریاست کا تشدد چنگیز و ہلاکو سے زیادہ خطرناک و مہلک ہے

جدیدیت کی سفاکی خود کو ان طریقوں سے چھپا دیتی ہے۔ روایتی معاشروں میں لوگ اپنی ضروریاتِ زندگی کے خود ذمہ دار تھے، وہ اپنے زورِ بازو سے اپنے لیے رزق اور زندگی کے وسائل خود پیدا کرتے تھے، لیکن جدید ریاست نے لوگوں کی اس معاشی خودمختاری، خود کفالتی زندگی کو تباہ و برباد کر کے ان کو اپنا غلام بنا لیا۔ لہٰذا جب جدید طریقہ جنگ میں کسی ریاست پر پابندیاں عائد کی جاتی ہیں، اس کے معاشی وسائل روک دیے جاتے ہیں، اس کے ادارے تباہ کر دیے جاتے ہیں تو لوگوں کے پاس موت قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہتا۔ چونکہ لوگ ریاستی مدد اور ریاستی اداروں کے بغیر اپنا کوئی فریضہ سرانجام نہیں دے سکتے ہیں، اور وہ ہر معاملے میں ریاست کے محتاج ہوتے ہیں، لہٰذا جب بھی کسی ریاست پر UNO، امریکہ یا کوئی طاقت ور ملک پابندی لگاتا ہے تو لاکھوں لوگ مر جاتے ہیں۔ جدید ریاستوں، UNO، NATO اور انسانی حقوق کے منشور کا تشدد چنگیز و ہلاکو خان سے زیادہ خطرناک ہے، مگر یہ کسی کو نظر نہیں آتا، کیونکہ اس تشدد میں لوگوں کے سروں کے مینار نہیں بنائے جاتے، بلکہ اسے چھپا دیا جاتا ہے۔

لبرل ازم نے اپنے بدترین تشدد کو بھی جمالیاتی رنگ دے دیا ہے

لبرل ازم کا کمال یہ ہے کہ اس نے تشدد، دہشت گردی، انسانیت دشمنی کو جمالیاتی رنگ دے دیا ہے، لہٰذا اس کے جمال کی رنگینی، تشدد کی سنگینی کی طرف لوگوں کو متوجہ نہیں ہونے دیتی۔ ترقی کو ایک عقیدے کے طور پر قبول کرنے کے بعد ترقی بھی جمالیاتی ہو گئی، حالانکہ اس ترقی کے نتیجے میں روزانہ ہزاروں لوگ ہلاک ہوتے ہیں، ہزاروں لوگ زخمی ہوتے ہیں اور ہزاروں لوگ عمر بھر کے لیے معذور ہو جاتے ہیں، لیکن اس کے باوجود یہ جمالیاتی تشدد جو ترقی کا نتیجہ ہے، کسی کو تشدد ہی محسوس نہیں ہوتا۔ فضائی آلودگی، آلودہ پانی، صنعتوں کے فضلے، صنعتی کاموں میں روزانہ کتنے لوگ مر رہے ہیں، زخمی ہو رہے ہیں —— انٹرنیٹ اور New left میں اس سلسلے کے اعداد و شمار پڑھ لیجیے آپ حیران رہ جائیں گے —— مگر جدید تشدد کو کوئی تشدد ہی نہیں سمجھتا۔ صرف مشال خان پر حملے کا واقعہ ہی تشدد

کہلاتا ہے۔ غالب مسلّط نظامِ زندگی جسے تشدد کہہ دے' ظاہر ہے وہی تشدد سمجھا جائے گا۔ یہ میڈیا اور سرمایہ دارانہ نظام کی طاقت ہے جس سے ہم ناواقف ہیں۔

جدید تشدد کی جمالیات کے چند مظاہرے دیکھئے! جاپانیوں نے اپنے ظلم سے اتنے چینیوں کو ہلاک نہیں کیا جتنے چینی خود چین کے رہنما ماؤزے تنگ کے مظالم' غلط فیصلوں اور ترقی یافتہ منصوبوں کی وجہ سے قحط' بھوک' بے روزگاری' جبری منتقلی کے ذریعے ہلاک ہوگئے۔ ان کی تعداد لاکھوں میں ہے' مگر کوئی چینی اسے تشدد' بربریت' ظلم تسلیم نہیں کرے گا' لیکن جاپان کے ہاتھوں چند ہزار چینیوں کے قتل کو قیامت تک بدترین جارحیت کے طور پر پیش کیا جاتا رہے گا۔

جس جبر وظلم کے ساتھ جمالیات اور ترقی ہو وہ قبول ہے

عصرِ حاضر میں مذہب کا ہر حکم سب کو جبر نظر آتا ہے مگر آزادی کا جبر کسی کو نظر نہیں آتا۔ بچوں کو صبح صبح زور زبردستی کے ساتھ اسکول بھیجنے کا جبر ترقی کی وجہ سے قابلِ قبول ہے' یہ آزادی کے عقیدے کا جبر ہے۔ عورت گھر میں شوہر اور ساس کا کام کرے اور اس دوران اسے ڈانٹ ڈپٹ سننی پڑے تو یہ ظلم' عورت کی آزادی پر ڈاکہ' اس کی شخصیت پر جبر سمجھا جاتا ہے' مگر یہی عورت جب ہسپتال میں نرس' ہوٹل میں ویٹر' ہوائی جہاز میں ایئر ہوسٹس بن کر جاتی ہے اور اس سے صارفین (clients) جو کچھ کرتے ہیں اس پر یہ مسکراتی رہتی ہے' برداشت کرتی ہے' شکایت تک زبان پر نہیں لاتی' لڑائی جھگڑا نہیں کرتی' نوکری نہیں چھوڑتی' تو یہ اس کے پیشے اور پیسے (capital) کی جمالیات ہے جس نے اسے اس درد' دکھ' تکلیف' تشدد' ظلم کو قابل برداشت بنالیا ہے۔ ہر ایک ترقی چاہتا ہے' لہٰذا ترقی کی جمالیات تشدد کی بہیمیت پر غالب آجاتی ہے' کوئی اس جبر وظلم کو جبر وظلم نہیں کہتا۔ عہد حاضر جمالیات کا عہد ہے۔ میڈیا کی جمالیات کے سحر میں بہت سی حقیقتیں بلکہ تلخ ترین حقیقتیں بھی اوجھل ہوجاتی ہیں۔ یہی صورت حال terror اور violence کی ہے کہ اس کا سحر سب کچھ چھپا دیتا ہے۔ ڈرون حملے کی صرف اطلاع آتی ہے' ایسا لگتا ہے جیسے بس یہ امن کا کوئی پیامبر ہے۔ ڈرون بھی جمالیاتی منظر بن گیا ہے اور علم' تحقیق' ترسیل تصویر' معلومات اور ابلاغ کی ایک علامت کے طور پر تسلیم کرلیا گیا ہے اور زندگی کا حصہ بنادیا گیا ہے۔

جو آزادی جمہوریت کی دلیل مانگے اسے گولی ماردو: لبرل ڈربن

اس صدی کے سب سے بڑے سیاسی فلسفی John Rawls نے لبرل ازم کو زندہ کرنے کے لیے جتنی بھی دلیلیں دی ہیں وہ سب کی سب ایمانی دلیلیں ہیں' ان میں کوئی عقلی دلیل نہیں ہے۔ رالز کے تمام دعوے صرف مفروضات ہیں۔ سوال یہ ہے کہ سرمایہ داری کے نظریہ لبرل ازم اور سرمایہ داری کے بنیادی عقیدوں' آزادی' مساوات' دستوری وآئینی جمہوریت اور ترقی پر ہم کیوں ایمان لائیں؟

جاوید غامدی امت کو لبرل ازم کے تمام عقیدوں پر ایمان لانے کی دعوت دے رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان عقیدوں کی عقلیت (Rationality of Faith) 'ان عقائد کی عقلی توجیہہ کیا ہے؟ تو اس سوال کا جواب دیتے ہوئے جان رالز کا شارح ڈربن اپنی کتاب "On Rawls & Political Liberalism" میں صاف صاف لکھتا ہے: آئینی' دستوری لبرل جمہوری روایات اور ریاست عہد جدید کا الحق اور الخیر (Supreme Good) ہے جس کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی جاہل شخص لبرل دستوری جمہوریت جیسے معیاری' مثالی نظام میں زندگی بسر کرنے کے فوائد اپنی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا تو میں یہ بات سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ایسے جاہل کو کس طرح سمجھایا جائے۔ اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ ایسے شخص کو گولی ماردی جائے' ایسے احمق جاہل شخص کے ساتھ مکالمے کی ضرورت نہیں۔ ان موضوعات پر کسی کو دلیل دینے کی ضرورت نہیں' کیونکہ جمہوریت' آزادی' مساوات' دستوری ریاست کو ہم بدیہی حقیقت' ناقابل تردید سچائی اور امر لازم (taken for granted) سمجھتے ہیں۔ ایسی آفاقی حقیقتیں جن میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں' لہٰذا اس کے لیے دلائل کی ضرورت نہیں۔ ڈربن لکھتا ہے:

> *What Rawls is saying is that there is in a constitutional liberal democracy a tradition of thought which it is our job to explore and see whether it can be made coherent and consistent... We are not arguing for such a society. We take for granted that today only a fool would not want to live in such a soceiety... If one cannot see the benefits of living in a liberal constitutional democracy, if one does not see the virtue of that .ideal, then I do not know how to convince him. To be perfectly blunt, sometimes I am asked, when I go around speaking for Rawls, What do you say to an Adolf Hitler? The answer is)nothing. You shoot him. You do not try to reason with him. Reason has no bearing on this question. So I do not want to discuss it (Burton Derben on Rawls & Political Liberalism in the Cambridge companion to Rawls [ed. S.R., Freeman] UK: Cambridge University Press USA 2003, Page 328-329)*

لبرل ازم کے دشمنوں کو جراثیم کی طرح ختم کردیا جائے: جان رالز

ممکن ہے غامدی صاحب فرمائیں کہ یہ جان رالز کے شارح ڈربن کا بیان ہے' رالز کا نقطہ نظر نہیں ہے' مگر یہ بات بھی درست نہیں ہے۔ خود رالز اپنی کتاب Political Librealism میں یہی

جارحانہ' متشددانہ' دہشت گردانہ نقطہ نظر پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ لبرل ازم کے پیش کردہ آفاقی تصورِ عدل اور لبرل سرمایہ دارانہ معاشرے کی اقدار کے مخالفین و منکرین جو اس اعلیٰ ترین نظام زندگی کو تلپٹ کرنا چاہتے ہیں' ان کو نہایت بے رحمی کے ساتھ' پوری طاقت سے' اس طرح کچل دینا چاہیے جس طرح جنگوں کو اور جراثیم کو ختم کر دیا جاتا ہے' تاکہ یہ وحشی اور جنونی لبرل نظامِ عدل کو تہس نہس نہ کر سکیں۔ رالز کے الفاظ پڑھیے :

That there are doctrines that reject one or more democratic freedom is itself a permanent fact of life, or seems so. This gives us the practical task of containing them__like war and disease __ so that they do not overturn political justice [John Rawls, Political Liberalism, New York: Columbia University Press, 2005, p.64]

مغربی تہذیب درندگی و بربریت کی تہذیب ہے: انزو ٹراورسو

میڈیا لبرل سیکولر نظامِ تعلیم کے بعد سرمایہ دارانہ جمہوری سیکولر' لبرل علمیت' انفرادیت' معاشرت' تہذیب کے غلبے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ یہ لبرل انفرادیت تعمیر کرنے (Construction of Liberal Self) کا اہم ترین وسیلہ ہے۔ میڈیا کے ذریعے لبرل ازم کے تمام مخالفین کو اس نظام میں ضم کر لیا جاتا ہے اور جو اس نظام میں ضم نہیں ہو سکتے ان کو یا تو اچھوت بنا دیا جاتا ہے یا ان کو ایک اقلیت کا درجہ دے دیا جاتا ہے۔ اگر یہ اقلیت اس نظام کے لیے خطرہ بنے تو اس اقلیت کو نظام کے تحفظ کے لیے قتل بھی کر دیا جاتا ہے۔ Black Pathor Movment کو امریکی حکومت نے ایک رات میں قتل کر کے ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا تھا۔ لبرل ازم اور اس کی جمہوریت زبردست بہیمیت' بربریت اور وحشت و دہشت گردی کے ذریعے دنیا پر مسلّط ہوئے۔ آج لبرل ازم آپ کو جتنا شریف نظر آتا ہے اتنا شریف نہیں ہے۔ اس کی پوری تاریخ دہشت گردی' بہیمیت' درندگی' ظلم و ستم سے بھری پڑی ہے۔ اس کے چند حوالے اس مضمون میں موجود ہیں' تفصیل جاننے کے لیے طلال اسد کی کتاب On Sucide Bombing پڑھ لیجیے! جان لاک نے سرخ ہندیوں (Red Indians) کے قتل عام کا جو فلسفیانہ جواز پیش کیا تھا وہ بھی لبرل ازم کی تاریخ کا سیاہ ترین باب ہے۔ لاک نے کہا تھا کہ یہ انسان نہیں بن سکتے' یہ کسی ملکیت کے قائل نہیں' لہٰذا ان کا مجبوراً خاتمہ ضروری ہے۔ جو شخص سرمایہ جمع کرنے اور سرمایہ سے سرمایہ میں اضافہ کرنے کے لیے تیار نہ ہو' لبرل ازم کی نظر میں وہ انسان ہی نہیں ہے' کیونکہ آزادی کا حصول سرمایہ کے بغیر ممکن نہیں اور آزادی کی ٹھوس شکل بس سرمایہ ہی تو ہے۔ ہولوکاسٹ کے حوالے سے Enzo Traverso مغرب اور لبرل ازم کی بہیمیت کی کامل نمائندگی کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

یہ بہیمیت اور بربریت کوئی اتفاقی حادثہ یا مغرب کا اپنی تاریخ سے انحراف نہیں تھا' بلکہ یہ واقعہ مغربی تہذیب کی مستند ترین تخلیق (product) تھا۔ دوسرے معنوں میں درندگی و بربریت مغرب کی تہذیب کا خاص کارنامہ ہے۔

Holocaust was not abervation of History; it was an authentic product of Westren Civilization.

اس بہیمیت کی ایک انتہائی شکل نیمبیا کے Herero گروہ کی ملک بدری اور قتل عام تھا جسے سیاسی فلسفی Friedrich Ratzel کے فلسفے نے ممکن بنایا۔ وہ کہتا تھا :

Migration being crucial to the survival of human races.

اسی فلسفی نے ایک اصطلاح Lebensraum تخلیق کی۔ Herero کو ملک بدری کا حکم دے کر انہیں دور دراز پھینکا گیا۔ عورتوں کے کیمپوں میں بھوک افلاس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ مردہ لوگوں کے سروں کی کھالوں کو چھیل کر اور اُبال کر کھا رہی تھیں۔ غامدی صاحب بتائیں کہ اس درندگی پر وہ کیا فرماتے ہیں؟ مؤرخ Dennis Luaman نے لکھا ہے:

Boiled & Scraped the skin off the heads of Heroero who had been killed. Those skulls were then shipped off to Germany for museum displays and eugenics research.

فراز فینوں (Frantz Fanon) نے اپنی کتابوں میں استعماری دہشت گردی اور اس کے مدمقابل مزاحمتی تحریکوں کی تاریخ پر بہت لکھا ہے۔ اس کی اہم کتابیں درج ذیل ہیں:

(1) Black Skin, White Masks
(2) A Dying Colonialism
(3) The Wretched of the Earth

وہ لکھتا ہے کہ استعمار کی مزاحمت کرتے کرتے غلام قوموں میں باہمی تشدد اور جنگ و جدال کا جذبہ بھی غیر معمولی حد تک قوی ہو جاتا ہے۔ وہ ثابت کرتا ہے کہ تمام یورپی استعماری قوتوں نے تشدد کے ذریعے ہی اپنا اقتدار قائم کیا' کالونیل ازم کی تاریخ اس کا ثبوت ہے۔ البرٹ میمی کی کتاب The Colonizer & the Colonized شمالی افریقہ میں فرانسیسی استعمار کی دہشت گردی کی ہولناک کہانی سناتی ہے۔ عسکری' اقدامی دہشت گردی سے قطع نظر' مغرب نے علمی' ثقافتی' سائنسی' لسانی' ماحولیاتی اور معاشرتی دہشت گردی کے ذریعے پوری دنیا کو جغرافیائی اور جسمانی طور پر آزاد کرنے کے بعد' اپنی ذہنی' علمی اور روحانی غلامی میں لے لیا ہے' غلام اپنے آقا کے عشق میں گرفتار ہیں۔ استعماریت کی طاقت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے معاشرت اور فطرت' معاشرتی تعلقات کے تانوں بانوں' انسانی معاشرت کو جدید نظم و ضبط اور تنظیم کے ذریعے ختم کر دیا۔ ولیم وائٹ کی کتاب The Organization Man اور فوکالٹ کی کتاب

Discipline & Punish ہمیں بہت سے اہم مباحث سے آگاہ کرتی ہے۔ مشین اور ٹیکنالوجی نے خدا کی جگہ لے لی ہے۔ ہائیڈگر' ممفرڈ اور جے الول (Heidegger, Mumford & J. Illul) نے ان مباحث پر بہت کچھ لکھا ہے۔ یہ جدید ''خدا'' مغربی' یورپی' امریکی استعماریت کی عالمگیریت قائم کر رہے ہیں اور فطرت کو مسخ کر رہے ہیں۔ یرگن ہابرماس (Jurgen Habermas) نے جدید ایجادات کے ذریعے قائم ہونے والی استعماریت کا ذکر The Philosophical Discource of Modernity میں کیا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں ریلوے کے نظام نے یورپی انسان کے زمان و مکان کے ادراک کو اس کی جڑوں اور بنیادوں تک تبدیل کر کے رکھ دیا۔ میڈیا' انٹرینٹ' فیس بک' موبائل فون نے تو ہر انسان کو کالونائز کر لیا ہے۔ تاریخ انسانی کی ایسی جابر تہذیب کے جبر کے مقابلے پر غامدی صاحب اسلام کو ایک جابر تہذیب ثابت کر رہے ہیں' یہ جہالت کی آخری انتہا ہے۔

سرخ ہندیوں کی عبرت ناک اموات: مائیکل مین کی شہادت پڑھیے!

۱۸۴۸ء میں کیلی فورنیا کو ملک میکسیکو سے کاٹ کر ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی ایک ریاست بنا دیا گیا' جس کے نتیجے میں سرخ ہندیوں (Red Indians) کے بالارادہ قتل میں حیرت انگیز اضافہ ہوا۔ اس قتل عام کی سب سے بڑی وجہ جبری امراض اور بھوک سے زوال پذیر قوتِ مزاحمت کے باعث بیماریاں تھیں۔ صرف دس فی صد سرخ ہندی براہ راست قتل کیے گئے جب کہ ساٹھ سے ستر فی صد مقامی آبادی کو بھوک' قحط' نسل کشی' عورتوں' مردوں کی شادیوں پر قدغن' کم شرح افزائش اور خطرناک بیماریوں کے ذریعے' جو محض اتفاقی اور حادثاتی نہیں تھیں' قسطوں میں ہلاک کر دیا گیا۔ جبری غذائی قلت کا شکار یہ سرخ ہندی جو سالوں سے قوتِ مزاحمت کھو رہے تھے' ان بیماریوں کا خاص نشانہ تھے۔ اگر ان کے جسم تنومند ہوتے' انہیں پیٹ بھر کر مناسب خوراک وقت پر ملتی' ان کی صحت قابلِ رشک ہوتی تو یقیناً یہ بیماریوں کا مقابلہ کر سکتے تھے' لیکن ان کو لاغر' کمزور' ناتواں شاید اسی لیے رکھا گیا تھا تاکہ یہ بیماریوں کے پھیلائے جال میں آسانی سے لقمہ اجل بن سکیں اور ان کی موت کا ذمہ دار گردشِ آسمان کو ٹھہرایا جائے اور قاتل ہر الزام سے بری ہو جائیں۔ بیماریوں' وبائی امراض سے بچاؤ کے لیے حکمران طبقات اور یورپی آبادکاروں نے کوئی اقدام نہیں کیا۔ سرخ ہندیوں کو مرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا' یہ مہذبانہ قتل عام تھا۔ پہلے عیسائی بنایا گیا' پھر بھوکا مارا گیا' پھر بیماریوں کے علاج کے لیے سہولت مہیا نہ کی گئی۔ اس کے برعکس حبشی غلاموں کو بیماریوں سے تحفظ کے لیے سفید فام یورپی آبادکاروں نے بھرپور رہنمائی کی' انہیں چیچک سے بچایا گیا' کیونکہ وہ قیمتی اور کارآمد تھے۔ اس کے برعکس سرخ ہندیوں کو مرنے دیا گیا' بلکہ حبشیوں کے اتارے ہوئے کمبل سرخ ہندیوں کو دیے گئے تاکہ

وہ چیچک سے مر جائیں۔ امریکی دہشت گردی کی تفصیلات مائیکل مین کی کتاب The Dark Side of Democracy میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ مائیکل مین کے الفاظ میں اس المناک باب کو پڑھیے:

In California the interlinked categories of disease, malnutrition, and starvation killed somewhere around 60-80 percent of natives, direct killing about 10 percent, with most of the remainder attributable to reproductive failure. Deliberate killings were usually in cold blood or in situations of such an imbalance of force that the appellation murder is applicable. But none of these categories are entirely separable from each other. Malnutrition, starvation, and low fertility often resulted predictably from settler policy, while diseases were not entirely accidental. Diseases spread most rapidly where malnourished natives were herded closely together, as in California missions and the many U.S. Indian reservations located on marginal lands. The settlers were not ignorant of the disease mechanisms involved, yet they rarely took steps against epidemics to which they themselves were immune. Nor were they unhappy with the results. Nash [1992: 300-1] compares the white responses to the spread of disease among Indians and black slaves. Since slaves were valuable, the white community tried to combat epidemics among them. Slaves were inoculated against smallpox. Indians were not. Indeed, some settlers fomented disease. Reports of donations of disease-ridden blankets to Indians have become notorious, though rare. [Page 89]

کیلی فورنیا' سرخ ہندیوں کا قبرستان: مائیکل مین

کیلی فورنیا میں سرخ ہندیوں (Red Indians) پر گزرنے والی شبِ ستم' آنسوؤں اور لہو سے تحریر کرنے کے قابل ہے۔ ان انسانوں کو براہِ راست قتل کرنے کے بجائے قسطوں میں موت کشید کرنے کے لیے کیسے کیسے طریقے اور تجربے کیے گئے' اس کا تصور کرنے سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سرخ ہندیوں کی عورتوں کو مردوں سے الگ کر دیا گیا تاکہ نسل میں اضافہ نہ ہو اور سرخ ہندی مرد ہم جنسیت کے ذریعے جسمانی عوارض میں مبتلا ہو جائیں۔ عورتوں کو طوائف بننے پر مجبور کیا

گیا اور پھر جن طوائفوں کو خطرناک جنسی بیماریاں منتقل ہوئیں انہیں جنسی خدمات انجام دینے کے لیے سرخ ہندی مَردوں کے سپرد کر دیا گیا تا کہ یہ بیماریاں ان میں منتقل ہو جائیں اور وہ تڑپ تڑپ کر جان دے دیں۔ سرخ ہندیوں کو شراب کا رسیا بنایا گیا تا کہ ان کی اخلاقی اقدار زوال پذیر ہو جائیں اور ان کی ہلاکتوں میں مزید اضافہ ہو۔ یہ شراب مشنریوں اور حکومتی پابندیوں کے باوجود محنت کے عوض مہیا کی جاتی تھی۔ جنسی بیماریاں تولیدی صلاحیتوں کے خاتمے اور کمزور صحت کا باعث بن گئیں۔ ۱۸۴۸ء سے ۱۸۶۰ء تک کیلی فورنیا کی سرخ ہندی آبادی پندرہ لاکھ سے کم ہو کر صرف اکتیس ہزار رہ گئی جب کہ سفید فاموں کی آبادی ۲۵ ہزار سے بڑھ کر ساڑھے تین لاکھ ہو گئی۔ ۱۸۶۰ء میں سرخ ہندیوں کی مردم شماری کے مطابق ان کی تعداد میں کمی کا اہم عامل مَردوں اور عورتوں کی بالجبر علیحدگی تھی۔ سرخ ہندی عورتیں اپنے دشمنوں کے بچوں کو جنم دیتی تھیں لیکن انہیں اس بات کی اجازت نہ تھی کہ وہ اپنے بچوں کو جنم دے سکیں اور اپنی نسل کو زمین و آسمان دیکھنے کے لیے دنیا میں آنے دیں' نہ اپنے مردوں کے لیے راحت کا سامان بن سکیں۔ سرخ ہندی جنسی راحت کے لفظ سے نا آشنا ہو گئے تھے' ان کی زندگی بدترین زندگی تھی' انہیں محض اپنی زندگی کی بقاء کے لیے محنت کی اجازت تھی تا کہ وہ زندگی اور موت کے مابین معلق رہیں اور آقاؤں کی غلامی کا شرف حاصل کریں۔ گورنر برنٹ (Burnett) نے اعلان کیا:

A war of extermination will continue to be waged between the two races until the indian becomes extinct the acts of these. Savages are sometimes signalized by a ferocity worthy of... cannibals ... They seem to cherish an instinctive hatred toward the white race, and this is a principle of their nature, which neither time nor vicissitude can impair. This principle of hatred is hereditary ... The character and conduct of these Indians ... [means] ...that Whites and Indians cannot live in close proximity in peace [ibid pg. 93].

جمہوریت اور قومی ریاست سب سے زیادہ نسلی قتل عام کرتی ہے

مائیکل مین نے اپنی کتاب The Dark Side of Democracy میں اعداد و شمار سے ثابت کیا ہے کہ دنیا کی تاریخ میں مغربی تہذیب سے پہلے کبھی نسلی (ethinic) بنیادوں پر قتل عام نہیں ہوئے' اور جو اکا دکا قتل عام اگر ہوئے بھی تو وہ مغرب کے قتل عام کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ اس نے واضح طور پر لکھا ہے کہ نسلی بنیادوں پر نہایت وحشیانہ قتل عام (Murderous Ethnic Cleansing) مغرب کا پیدا کردہ مسئلہ ہے' ہم ہی اس کے خالق اور ذمہ دار ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ جب سے دنیا میں مغرب نے قومی ریاستیں قائم کیں اور انہیں جمہوریت کے ذریعے چلایا تو اس کے نتیجے میں

Ethnic Murder قومی جمہوری ریاستوں کا عام رویہ بن گیا۔ اس سے پہلے دوسری تہذیبوں میں اس طرح کی صورت حال نہیں تھی۔ وہ قومی ریاست اور جمہوریت کو اس خونی قتل عام کا براہ راست ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ وہ ثابت کرتا ہے کہ جمہوریت قائم کرنے کے لیے بھی بے شمار قتل عام کیے گئے' اس کے بغیر جمہوریت قائم نہیں ہو سکتی۔ ظاہر ہے جب سب لوگ قتل ہو گئے تو جمہوریت پُرامن ہو گئی یعنی دشمنوں کے خاتمے کے بعد پُرتشدد جمہوریت پُرامن جمہوریت بن گئی۔ یعنی تشدد اور دہشت گردی کے ذریعے ہی امن حاصل ہوتا ہے۔

۱۴۸۰ء سے ۱۹۴۰ء تک مغرب نے تین ہزار جنگیں لڑیں: ایرک فرام

غامدی صاحب نے کبھی ایرک فرام کو بھی نہیں پڑھا' وہ مغربی اقوام کی بہیمیت کی تاریخ تفصیل سے بیان کر چکا ہے۔ مغرب کے ممتاز ماہر نفسیات ایرک فرام نے The Anatomy of Human Destructiveness کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے' اس کتاب میں ایرک فرام نے کہا ہے کہ انسان بھی دوسرے حیوانوں کی طرح ایک حیوان ہے' لیکن یہ حیوان دوسرے حیوانوں سے اس لیے مختلف ہے کہ دوسرے حیوان قاتل (killer) نہیں ہیں مگر انسان قاتل (killer) ہے۔ ماقبل تاریخ کا انسان بھی تباہی پسند (destrutive) تھا' مگر اس کی تباہی اپنے دفاع اور بقا سے متعلق تھی' مگر جدید انسان (modern man) حقیقی معنوں میں قاتل ہے۔ ایرک فرام نے گزشتہ پانچ سو سال کے دوران لڑی جانے والی جنگوں کے اعداد و شمار پیش کیے ہیں۔ ایرک فرام کے مطابق مغرب نے گزشتہ تقریباً پانچ سو برس میں جو جنگیں لڑیں ان کی تفصیل یہ ہے: (۱) ۱۴۸۰ء سے ۱۴۹۹ تک ۹ جنگیں (۲) ۱۵۰۰ء سے ۱۵۹۹ء تک ۸۷ جنگیں (۳) ۱۶۰۰ء سے ۱۶۹۹ء تک ۲۳۹ جنگیں (۴) ۱۷۰۰ء سے ۱۷۹۹ء تک ۷۸۱ جنگیں (۵) ۱۸۰۰ء سے ۱۸۹۹ء تک ۶۵۱ جنگیں (۶) ۱۹۰۰ء سے ۱۹۴۹ء تک ۸۹۲ جنگیں۔ اس طرح مغربی اقوام نے ۱۴۸۰ء سے ۱۹۴۰ء تک ۲۶۵۹ جنگیں لڑیں۔ (۱) جس مغرب کی یہ تاریخ ہو' وہ مغرب' اسلام کو دہشت گرد کیسے کہہ سکتا ہے؟ اور غامدی صاحب اس کی ہاں میں ہاں کیسے ملا سکتے ہیں؟ یہ تاریخ کا انکار ہے اور دنایت ہے۔

غامدی صاحب برنارڈ لیوس کی کتاب بلکہ اس کا خطبہ Islam in Europe' لبرل ازم کے سب سے بڑے سیاسی فلسفی جان رالس کی آخری کتاب Law of the People' صدر بش کی کچن کیبنٹ کے رکن فرید زکریا کی کتاب The Future of Democracy' مائیکل مین کی کتاب The Dark Side of the Democracy اور J. E. B. Lumbard Islam, Fundamentalism & The Betrayal of Tradition پڑھ لیں' سب نے اسلام'

(1) The Anatomy of Human Destructiveness, page 243

اسلامی خلافت اور مذہبِ اسلام کے بارے میں یہی لکھا ہے کہ یہ عظیم تہذیب تھی جہاں اقلیتوں کے ساتھ نہایت بہترین سلوک کیا جاتا تھا۔ وہ تہذیب و تاریخ جو ہمیشہ بہترین رہی' جس نے عشق رسول ﷺ کے معاملے میں کوئی مفاہمت نہیں کی' اس تہذیب پر آج غامدی صاحب اور مغرب مشترکہ طور پر حملہ آور ہیں۔ مائیکل مین نے اپنی کتاب The Dark Side of the Democracy میں امریکہ پر لکھے گئے ۲۵ صفحات میں اعداد و شمار سے ثابت کیا ہے کہ امریکیوں نے دس کروڑ سرخ ہندیوں (Red Indians) کو پچاس سال میں کس طرح تڑپا تڑپا کر' سسکا کر' کتنی بے دردی سے ہلاک کیا۔ اس درندگی کی تاریخ پڑھیں تو آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے۔

دنیا کی تاریخ کے کُل ۱۵۰ ملین مقتولین میں سے ۹۶ فیصد لوگ مغرب نے قتل کیے

Global Politics کا مصنف لکھتا ہے کہ مغرب کی پانچ صدیوں کی خوں ریز تاریخ میں سے انیسویں اور بیسویں یعنی گزشتہ دو صدیوں میں سب سے زیادہ جنگیں لڑی گئی ہیں۔ ہم تاریخ انسانی کے بدترین دور میں رہ رہے ہیں اور یہ دور جدیدیت (ماڈرن ازم) کا پیدا کردہ دور ہے جو نہایت سفاک' درندہ صفت اور وحشی ہے۔

Global Politics کا مؤلف لکھتا ہے کہ تین ہزار برس قبل مسیح سے لے کر آج تک (اکیسویں صدی تک) ۱۵۰ ملین سے زیادہ افراد جنگوں میں ہلاک ہوئے ہیں' سولہویں صدی سے پہلے تک کی تمام جنگوں میں ۱۵۰ ملین کا صرف ایک فی صد لوگ ہلاک ہوئے۔ وہ لکھتا ہے کہ ہزار برس قبل مسیح سے لے کر اکیسویں صدی تک کی جنگوں میں مارے جانے والے ۱۵۰ ملین افراد میں سے ۹۶ فیصد لوگ مغرب کی گزشتہ پانچ سو سال کی جنگوں کے درمیان ہلاک کیے گئے اور تین ہزار قبل مسیح سے لے کر بیسویں صدی تک کی جنگوں میں ہونے والی اموات کی ۷۳ فیصد اموات صرف بیسویں صدی میں ہوئیں۔

وہ مزید لکھتا ہے کہ غیر محارب عام شہریوں کی سب سے زیادہ اموات مغرب کی پانچ سو سالہ جنگوں میں ہوئی ہیں جو پندرہویں سے بیسویں صدی کے درمیان ہوئیں اور ان جنگوں میں سپاہیوں سے زیادہ غیر محارب (non combant) عام شہری (civilians) مارے گئے۔ ان مرنے والے لوگوں کی آدھی تعداد بچوں پر مشتمل تھی۔ مغرب کے غلبے کے بعد اس کے ایجاد کردہ اسلحہ سے لڑی جانے والی جنگیں اب فوجوں کے درمیان نہیں ہوتیں۔ تمام جنگوں کا ہدف صرف اور صرف بے گناہ شہری اور شہری علاقے ہوتے ہیں۔ یہ انسانیت کی پرستش کا عہد ہے۔ مغرب کی عسکری دہشت گردی کے باعث ساٹھ لاکھ لوگ ان جنگوں میں معذور' اپاہج اور لاچار بنا دیے گئے۔

کتاب Global Politics میں دنیا کی بدترین امریکی' یورپی مغربی دہشت گردی کے اعداد و شمار کے مطابق دنیا کی تمام قوموں کی دہشت گردی ایک طرف' مغرب کی عالمی دہشت گردی دوسری

طرف۔ کتاب کے مطابق دنیا کی تاریخ اور مغرب کی تاریخ کے قتل عام کے درمیان ۴ (four) اور ۹۶ (ninty six) کی نسبت (ratio) ہے۔ یہ کتاب بتاتی ہے کہ تین ہزار سال قبل مسیح سے لے کر آج تک دنیا کی تمام جنگوں میں جتنے لوگ قتل ہوئے' ان کا ۹۶ فیصد مغرب کی پانچ سو سالہ جنگوں کے درمیان ہلاک ہوئے۔ مغرب کی وہ جنگیں جو پندرہویں صدی سے لے کر دو ہزار عیسوی تک لڑی گئیں' تاریخ انسانی کی خوں ریز ترین جنگیں تھیں۔ دنیا کی تاریخ میں آج تک جتنا خون بہا ہے اس کا چھیانوے فی صد خون مغرب نے گزشتہ پانچ سو سال کے درمیان بہایا ہے۔ مغرب نے جب سے جنگوں کا آغاز کیا ہے ان جنگوں میں مرنے والے تین چوتھائی عام شہری ہوتے ہیں کیونکہ جدید ہتھیاروں کے باعث جو دور سے ہی دشمن کو اور دشمن کے علاقے کو نشانہ بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ دونوں طرف کے فوجیوں کا نقصان بہت کم ہوتا ہے' شہریوں کا نقصان سب سے زیادہ ہوتا ہے۔

امریکہ نے جرائم کیے ہیں مگر ہم نے اپنے آپ کو معاف کر دیا ہے: رچرڈ رارٹی

ہم نے حضرت سے عرض کیا کہ اگر آپ حضرات اسلامی علمیت' اسلامی تہذیب و تاریخ میں کھڑے ہوتے تو کبھی یہ سوالات اٹھا ہی نہیں سکتے تھے۔ آپ نے اسلامی شریعت' اجماع امت اور اسلامی تاریخ میں توہین رسالت کے واقعات کو اسلامی علمیت کی روشنی میں دیکھنے' پڑھنے' جانچنے' پرکھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ آپ تو میڈیا اور لبرل ازم کے زیر تسلط آزادی کے عقیدے کے منہاج اور ڈسکورس میں کھڑے ہو کر غامدی صاحب کی طرح توہین رسالت کے اس واقعے پر سوالات اٹھا رہے ہیں جو بالکل باطل اور فاسد طریقہ کار ہے۔ اسلام تو مغرب کے عقیدۂ آزادی کو تسلیم ہی نہیں کرتا۔ اسلام میں صرف بندگی' عبدیت اور اللہ کی غلامی کا عقیدہ پایا جاتا ہے' جبکہ آزادی کا عقیدہ تو انسان کو خدا کے مقام پر فائز کرتا ہے۔ اسی لیے رچرڈ رارٹی نے اپنی کتاب Achieving Our Country میں نہایت بے شرمی سے لکھا ہے کہ وہ لوگ جو امریکہ کی خونی تاریخ پر شرمندہ ہیں' ماضی میں اس کے جبر' ظلم' بہیمیت' درندگی پر شرمسار ہیں' ان کو شرمندہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم نے غلطیاں کی ہیں لیکن ہم نے اپنے آپ کو معاف کر دیا ہے۔ امریکہ اپنی خدائی کا اعلان کر رہا ہے اور آزادی کا عقیدہ ہر فرد کو خدائی کے مرتبے پر فائز کر رہا ہے۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ تعقّل غالب کے تسلّط نے آپ کے سوچنے' سمجھنے کے پیمانے تک غیر شعوری طور پر تبدیل کر دیے ہیں۔ آپ اسی طرح سوچ رہے ہیں جس طرح مغرب سوچ رہا ہے' بلکہ آپ نے مغرب کے تخلیق کردہ پیمانوں کو اختیار کر لیا ہے اور ان پیمانوں پر آپ کو اسلام' اسلامی علمیت' عشق رسول ﷺ اور توہین رسالت پر لوگوں کا اشتعال غیر فطری' غیر عقلی' غیر منطقی نظر آ رہا ہے۔ ظاہر ہے مغرب کے منہاج' ڈسکورس کے تناظر میں تو یہ نتائج بالکل درست ہیں' مگر اسلامی علمیت اور اجماعِ

اُمت کی روشنی میں آپ حضرات کے نتائج سو فیصد غلط ہیں۔ مغرب کو پڑھتے پڑھتے‘ مغرب پر تنقید کرتے کرتے آپ حضرات خود مغرب کے رنگ میں رنگے جا چکے ہیں۔ نطشے نے بالکل درست کہا تھا کہ بھوت سے لڑنے والے‘ بھوت سے لڑتے لڑتے آخر کار خود ہی بھوت میں تبدیل ہو جاتے ہیں‘ یہ مغرب کے غلبے کی طاقت ہے۔

The who fights with monsters might take care lest the thereby become a monster. And if you gaze for long into an abyss, the abyss gazes also into you. Nietzsche, Friedrich

میکس ویبر کے الفاظ میں تشدد اور جبر پر صرف جدید ریاست کا اجارہ ہے۔ monoply of violence صرف جدید ریاست کے پاس ہے۔ جدید ریاست جو Fedralist Papers کے بعد وجود میں آئی‘ خلافت‘ بادشاہت‘ امارت کے مقابلے میں ہزاروں گنا جابر (tyrrant) ریاست ہے جو اپنی رِٹ قائم کرنے کے لیے کسی کی رِٹ تسلیم نہیں کرتی اور اپنے اختیارات میں کسی کو حصہ نہیں دیتی۔ جدید مغربی ریاست کی دہشت کے سامنے چنگیز و ہلاکو کی دہشت بھی ماند پڑ جاتی ہے۔ بایں طور کہ ان حکمرانوں کے پاس بھی جدید ریاست کی طرح بے انتہا اختیارات نہ تھے۔ جدید ریاست کے ان اختیارات کا ماخذ جدید سائنس اور لامحدود سرمایہ ہے۔ قدیم ریاستیں ان دونوں ذرائع سے محروم تھیں۔ جدید ریاست نے انسانی زندگی کے ہر دائرے کو اپنی نوآبادی بنالیا ہے۔ اسلامی خلافت میں تعلیم‘ عدل‘ تزکیۂ نفس‘ تصفیۂ قلب اور احسان و سلوک جسے تصوف بھی کہا جاتا ہے‘ یعنی ایک فرد کا روحانی تزکیہ‘ صرف اور صرف علماء کی ذمہ داری تھی‘ عالم ہی قاضی ہوتا تھا۔ قاضی فیصلہ دینے سے پہلے عموماً مفتی اور مجتہد سے رجوع کرتا تھا‘ لہٰذا عدل نیچے سے اوپر کی طرف جاتا تھا‘ لیکن جدید ریاست میں عدل اوپر سے نیچے جاتا ہے۔ اس کا معاشرے‘ معاشرت‘ معاشرتی حرکیات‘ معاشرے کی نبض اور اَقدار و روایات سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ لہٰذا عدل مہنگا بھی ہو رہا ہے اور عدل کے نتیجے میں ظلم بھی عام ہو رہا ہے۔ نظامِ عدل ہی ایسا ہے کہ مظلوم کے لیے دادرسی کے امکانات کم سے کم ہو رہے ہیں اور ظالم کے بچنے کے امکانات مزید بڑھ رہے ہیں۔

جدید ریاست نے تعلیم‘ عدل‘ فرد کی اخلاقی اور روحانی تربیت کے ان تمام دائروں کو اپنے اختیار میں لے کر علماء کو زندگی کے تمام دائروں سے بے دخل کر دیا لہٰذا جدید ریاست توہین رسالت کے مسئلے میں عالم کے اختیار کو تسلیم نہیں کرتی۔ توہین رسالت کا قانون اب مسائل پیدا کر رہا ہے تو اس کا حل صرف یہ ہے کہ اس قانون میں ایک شق کا اضافہ اجماع امت کی روشنی میں کر دیا جائے کہ توہین رسالت کے ارتکاب پر اگر کوئی شخص مرتکب توہین کو قتل کر دے تو اسے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ ظاہر ہے جدید ریاست اپنا اختیار کبھی کسی شہری کو منتقل نہیں کرے گی‘ وہ citizen کو جو اس کا voter

اور consumer ہے‘ اسلامی علمیت کے دائرے میں دیکھنے کے قابل ہی نہیں ہے۔

سیکولر ریاست میں ’العلم‘ صرف سائنس یعنی تجربیت اور عقلیت ہے

سیکولر معاشرے و ریاست میں تعقل مذہبی باقی نہیں رہتا۔ ریاست صرف اور صرف آزادی‘ مساوات‘ ترقی اور جمہوریت کے عقیدوں کو قوت سے نافذ کرتی ہے۔ ان عقیدوں کے خلاف بغاوت انقلاب کی آزادی نہیں ہوتی‘ سو فی صد اکثریت سے بھی عوام ان عقیدوں کو تبدیل نہیں کر سکتے‘ ورنہ انہیں پوری قوت سے کچل دیا جاتا ہے‘ کیونکہ ارادۂ عوام (popular will)‘ ارادۂ عامہ (general will) کے تابع ہے۔ عوام آزادی‘ مساوات‘ ترقی‘ جمہوریت کا انکار نہیں کر سکتے۔ یہ ارتداد ہے‘ اس کی سزا قتل ہے۔ حیرت ہے کہ غامدی صاحب کو اسلام میں ارتداد کی سزا موت پر شرم آتی ہے۔ سیکولرازم‘ لبرل ازم‘ جمہوریت اپنے عقیدوں کے تمام مرتدین کو کھلم کھلا قتل کر دیتے ہیں‘ شرم تک نہیں کرتے۔ ترکی میں اربکان کی حکومت کا خاتمہ اور یورپین کورٹ آف ہیومن رائٹس سے ان کی اپیل کا مسترد ہونا‘ الجزائر میں اسلامک فرنٹ کا حشر اور مصر میں الاخوان المسلمون کی برطرفی‘ قتل عام اور پھانسیاں اس کا ثبوت ہیں۔ سیکولر ریاست صرف سائنس کو العلم سمجھتی ہے۔ تجربیت اور عقلیت کے پیمانوں پر جو علم پورا نہ اترے وہ جہالت ہے‘ لہٰذا مذہبی علم جہالت سمجھا جاتا ہے۔ سائنسی علمیت اور سرمایہ دارانہ معیشت ہر جدید ریاست کا طرہ امتیاز ہے جہاں یہ دونوں اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان معاشروں‘ تہذیبوں‘ ریاستوں میں مذہبی علمیت حقیر و ذلیل اور تمسخر و تضحیک کا نشانہ بنادی جاتی ہے۔ اس تمسخر اور تذلیل کی انتہا یہ ہے کہ سیکولر امریکہ کا سب سے بڑا سیکولر فلسفی رچرڈ رارٹی کہتا ہے کہ ہم نے پوپ سے مکالمہ نہیں کیا تو ہم اسلامی ماڈرنسٹوں سے مکالمہ کیوں کریں؟

سیکولرازم کسی مذہبی گروہ سے مکالمہ بھی پسند نہیں کرتا: رچرڈ رارٹی

رارٹی مذہبِ اسلام‘ مذاہبِ عالم حتیٰ کہ مغرب کی تاریخ و تہذیب کی علامت کیتھولک ازم سے مکالمے کا روادار نہیں ہے اور ہمارے وسعت اللہ خان صاحب فرما رہے ہیں کہ سیکولرازم کا مطلب لادینیت نہیں ہے بلکہ وسعت قلب ہے۔ مکالمے کے بغیر وسعت کا کیا سوال‘ یہ تو جہالت کی انتہا ہے۔ سیکولرازم کا مطلب ہم وسعت اللہ خان سے نہیں‘ رچرڈ رارٹی سے پوچھیں گے۔ دنیا کا سب سے بڑا سیکولر ملک امریکہ ہے اور اس کا سب سے بڑا سیکولر فلسفی رارٹی کہہ رہا ہے کہ ہم کسی اسلامی جدیدیت پسند سے مکالمہ نہیں کریں گے۔ وہ وحید الدین خان‘ راشد شاذ‘ غامدی‘ قرضاوی‘ طارق رمضان‘ کسی کو بھی مکالمے کے قابل نہیں سمجھتا۔ وسعت اللہ صاحب اس سیکولر نقطہ نظر کو رواداری ثابت کر رہے ہیں جو مکالمے کے لیے تیار نہیں ہوتا وہی اصل میں سیکولر ہوتا ہے۔ یہی اصلی سیکولرازم ہے۔

There was no dialogue between the philosophers and the

Vatican in the eighteenth century, and there is not going to be one between the mullahs of the Islamic world and the democratic West. The Vatican in the eighteenth century had its own best interests in mind, and the mullahs have theirs. They no more want to be displaced from their positions of power than the Catholic hierarchy did (or does). With luck, the educated middle class of the Islamic countries will bring about an Islamic Enlightenment, but this enlightenment will not have anything much to do with a "dialogue with Islam.[A dialogue between American State Philosopher Richard Rorty and Gianni Vatimo from page 72 to 75, Columbia University Press, New York.]

سیکولرازم کی دہشت گردی کی تاریخ : مائیکل مین

میڈیا لبرل سیکولر نظام تعلیم کے بعد سرمایہ دارانہ جمہوری سیکولر' لبرل علمیت' انفرادیت' معاشرت' تہذیب کے غلبے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ یہ لبرل انفرادیت تعمیر (construction of liberal self) کرنے کا اہم ترین وسیلہ ہے۔ میڈیا کے ذریعے سیکولرازم اور لبرل ازم کے تمام مخالفین کو اس نظام میں ضم کرلیا جاتا ہے جو اس نظام میں ضم نہیں ہو سکتے ان کو یا تو اچھوت بنادیا جاتا ہے یا ان کو ایک اقلیت کا درجہ دے دیا جاتا ہے۔ پھر اگر یہ اقلیت اس نظام کے لیے خطرہ بنے تو اس اقلیت کو نظام کے تحفظ کے لیے قتل بھی کردیا جاتا ہے۔ Black Pathor Movment کو امریکی حکومت نے ایک رات میں قتل کرکے ہمیشہ کے لیے ختم کردیا تھا۔ ستر (۷۰) کی دہائی میں امریکہ میں سوشلسٹوں کے ساتھ کیا کیا گیا' سب سیکولرسٹ اچھی طرح جانتے ہیں۔ سیکولرازم اور لبرل ازم اور اس کی جمہوریت زبردست بہیمیت' بربریت اور وحشت و دہشت گردی کے ذریعے دنیا پر مسلط ہوئے۔ آج وسعت اللہ خان صاحب کو سیکولرازم اور لبرل ازم جتنا شریف' نیک' پارسا نظر آتا ہے اتنا شریف نہیں ہے' اس کی پوری تاریخ دہشت گردی' بہیمیت' درندگی' ظلم وستم سے بھری پڑی ہے۔ اس کے چند حوالے اس مضمون میں موجود ہیں' تفصیل کے لیے طلال اسد کی کتاب On Sucide Bombing پڑھ لیجیے! جان لاک نے سرخ ہندیوں کے قتل عام کا جو فلسفیانہ جواز پیش کیا تھا وہ بھی لبرل ازم کی تاریخ کا سیاہ ترین باب ہے۔ لاک نے کہا تھا کہ یہ انسان نہیں بن سکتے یہ کسی ملکیت کے قائل نہیں لہٰذا ان کا مجبوراً خاتمہ ضروری ہے۔ جو شخص سرمایہ جمع کرنے اور سرمایہ سے سرمایہ میں اضافہ کرنے کے لیے تیار نہ ہو لبرل ازم کی نظر میں وہ انسان ہی نہیں ہے کیونکہ آزادی کا حصول سرمایہ کے بغیر ممکن نہیں اور آزادی کی ٹھوس شکل بس سرمایہ ہی تو ہے۔ جان لاک انسان اسے سمجھتا تھا جو سیکولرازم کے تین

عقیدوں Property, Life, Liberty پر ایمان لائے' ان عقیدوں کے مطابق زندگی بسر کرے' مال کمائے' جمع کرے' اس میں مسلسل مستقل اضافہ کرے۔ سرخ ہندی چونکہ ان عقائد کے مخالف تھے لہٰذا دس کروڑ سرخ ہندیوں کو پچاس سال میں امریکی سیکولرازم نے تڑپا تڑپا کر قتل کردیا۔ اس کی داستان وسعت اللہ صاحب مائیکل مین کی کتاب The Dark Side of Democracy میں پڑھ سکتے ہیں جو کیمبرج یونیورسٹی پریس سے شائع ہوئی ہے۔

جان لاک جو سیکولر ازم لبرل ازم کا بہت بڑا فلسفی ہے' اپنے خط The letter of tolerance میں لکھتا ہے کہ ایک سیکولر لبرل ریاست میں کیتھولک مذہب رکھنے والوں کو برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ یہ سیکولرازم کی رواداری ہے۔ لاکھوں لوگوں کو قتل کرنے کے بعد کیتھولک ازم کو اس لیے برداشت کرلیا گیا کہ سب کو قتل کرنا عملاً ناممکن تھا۔ ان کی کمر توڑ کر ان کی قوت کم کردی گئی تھی اور کیتھولک ازم جدیدیت سیکولرازم کو قبول کرنے پر آمادہ ہوگیا تھا۔ ۱۹۶۴ء کی چرچ کونسل نے منشور انسانی حقوق کو تسلیم کرلیا۔

تاریخِ انسانی کی ایسی جابر تہذیب کے جبر کے مقابلے پر وسعت اللہ صاحب بین السطور میں اسلام کو ایک جابر تہذیب ثابت کررہے ہیں اور سیکولرازم کے قصیدے پڑھ رہے ہیں' یہ جہالت کی آخری انتہا ہے۔ سیکولرازم کی تین سو سالہ وحشیانہ قتل عام دہشت گردی اور درندگی کی تاریخ وسعت اللہ صاحب Dark Side of Democracy میں پڑھ لیں۔

غیر مغربی غیر تہذیب یافتہ قوموں نے مغرب کو درندہ بننے پر مجبور کیا؟

مغرب کی بربریت' وحشت' درندگی اور بہیمیت کا ایک جواز بھی ہے۔ یہ جواز Barbarians Civilization کے مصنف نے اپنی کتاب میں مثالوں سے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ وہ مغرب کا موقف بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ مغرب نے جب پوری دنیا کو مہذّب' متمدّن (civilized) کرنے کی ذمہ داری سنبھالی تو اس عمل کے نتیجے میں اسے مجبوراً خود وحشی' درندہ اور غیر مہذّب و غیر متمدن بننا پڑا۔ ان وحشی قوموں کو مہذب بنانے کے عمل نے مغرب کو وحشی و غیر مہذّب بننے پر مجبور کیا' چنانچہ اصل ظالم ہم مغرب نہیں بلکہ دنیا بھر کے غیر مہذب وحشی غیر متمدّن لوگ تھے جن کے وحشی پن اور جانور پن نے مغرب جیسے مہذبوں کو بھی جانوروں کی سطح تک اترنے پر مجبور کیا یعنی اگر یہ غیر مہذّب وحشی قومیں وجود نہ رکھتیں تو مغرب مہذب ہی رہتا۔ نطشے اور فرائیڈ مغرب کے دو بڑے فلسفی ہیں جنہوں نے نہایت فراخ دلی سے تسلیم کیا کہ ہم خود بربریت کے نمائندے ہیں' فرائیڈ نے Repression کے نظریے کے ذریعے اس نقطہ نظر کا اظہار کیا۔ نطشے نے کہا کہ افلاطون وارسطو نے انسانیت کو تباہ کیا' یونان کی اصل تہذیب ان سے پہلے تھی۔ عیسائیت نے روم کو تباہ کیا اصل چیز

Will to Power ہے' طاقت' قوت' اقتدار واختیار یہ ہے اصل شے۔ ہٹلر نطشے کے فلسفے کا نتیجہ تھا پوسٹ ماڈرن ازم بھی نطشے کے فلسفے کا نتیجہ ہے۔

جدید جنگیں' خودکش حملہ آور منطقی نتیجہ: طلال اسد

طلال اسد کی کتاب On Suicide Bombing مغرب کی دہشت' بربریت' وحشت کی فلسفیانہ اساسات بیان کر کے اس کے ردعمل میں ہونے والے خودکش حملوں کی توجیہہ بیان کرتی ہے۔ کتاب بتاتی ہے کہ تاریخ انسانی میں جتنی بھی جنگیں ہوئیں ان میں شریک ہونے والے لڑنے والے ایک دوسرے کو مارنے مرنے (exchange of killing & dying) کے لیے جاتے تھے' جبکہ جدید جنگ اتنی ٹیکنالوجیکل ہے کہ اس میں جدید فوج مرنے نہیں صرف اور صرف مارنے کے لیے جاتی ہے۔ دشمن کے ہدف اور حملہ آور میں اتنا طویل فاصلہ ہے کہ اسے پاٹنا مشکل ہے۔ اگر روایتی جنگوں کی طرح جدید جنگیں ٹیکنو سائنس کے زیر اثر فاصلاتی جنگیں نہ ہوتیں آمنے سامنے' روبرو اور دوبدو ہوتیں تو کبھی خودکش حملہ آور پیدا نہ ہوتے۔ فوجوں اور دشمنوں کے درمیان جنگ کی تیسری قسم (Third order of war) کے نتیجے میں' ٹیکنو سائنس کے پیدا کردہ فاصلے اور پیدا کردہ خلیج کو پاٹنے کا نام خودکش حملہ (Suicide Bombing) ہے۔ جدید جنگی طریقے' جدید جنگی عمل (action) غیر عقلی (irrational) ہے' مگر کوئی انہیں غیر عقلی نہیں کہتا' لیکن مغرب خودکش حملوں کے ردعمل (reaction) کو غیر عقلی (irrational) قرار دیتا ہے۔ طلال اسد نے اصلاً خودکش حملوں کا سبب جدید مغرب کو ہی قرار دیا ہے۔ ژی ژیک کے فلسفے کے تحت طلال اسد نے دوسرے سوال کا جواب دینے کے بجائے پہلے سوال کا جواب دے دیا تاکہ مسئلہ باقی نہ رہے۔ اپنی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے طلال اسد نے ایک تقریب میں کہا:

> *it is critical that we remain aware of the forces shaping the discourse surrounding this mode of violence, and by questioning our assumptions about morally good and morally evil ways of killing, I tried to illuminates the fragile contradictions that are a part of our modren subjectivity.*

خودکش حملے کو ممکن بنانے والی سائنس' مہلک ہتھیار مہیا کرنے والا نظام دہشت گرد کیوں نہیں؟

خودکش حملہ آور بھی جدید مغرب کے جدید ہتھیاروں کی ہلاکت سے خلق ہوا ہے۔ اگر جدید مغرب مہلک ہتھیاروں کی سائنس ایجاد نہ کرتا' یہ مہلک ہتھیار ہی تیار نہ کرتا' یہ ہتھیار آزاد مارکیٹ میں فروخت نہ کرتا' یہ ہتھیار خودکش حملہ آوروں کو مارکیٹ کی قوتوں کے ذریعے مہنگے داموں بیچنے نہ دیتا تو خودکش حملہ آور کبھی خودکش دھماکے نہ کر سکتے۔

جس فلسفے' تہذیب' تمدن' سائنس اور علم نے یہ مہلک ہتھیار تیار کیے' اس فلسفے اور سائنس کو' اس سائنسدان کو' اس علم کو کوئی دہشت گرد نہیں کہہ رہا۔ عمار ناصر صاحب جو ہر مسئلے پر اپنی رائے دینے کے شوقین ہیں وہ بھی اس مسئلے پر سیکولر مغرب کو کوئی مشورہ نہیں دے رہے۔ ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ اس چھوٹے دہشت گرد کے ساتھ اصل اور بڑے دہشت گرد (مغرب) کو بھی دہشت گرد کہا جائے جو اعانت مجرمانہ کا مرتکب ہے۔ جس تہذیب نے صنعت کاری کا نظام قائم کر کے ایسے مہلک ہتھیاروں کی مسلسل مستقل با افراط فراہمی کا نظام بنایا اس صنعت کاری کو کوئی دہشت گردی نہیں کہہ رہا۔ اسی طرح جس فلسفے نے زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کو تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ ایک قدر (value) بنا کر ہر صنعتی ادارے اور ہر فرد کی زندگی کا مقصد زیادہ سے زیادہ منافع کا حصول (profit maximization) بنا کر ایک ایسا لالچی انسان تخلیق کیا' ایک ایسی مارکیٹ اور مارکیٹ سوسائٹی تخلیق کی جہاں وہ آزادانہ مسابقت (open competition) کے اصول پر زیادہ سے زیادہ نفع کی خاطر اپنے دشمنوں کو بھی اپنے مہلک ہتھیار بیچ دیتا ہے' اس فلسفے کو کوئی دہشت گرد نہیں کہہ رہا۔ وہ آخری فرد جس نے خود کو ہلاک کر کے خودکش حملہ کیا' وہ تو دہشت گرد ہے' لیکن اس کی ہلاکت کا انتظام کرنے والا پورا نظام جو زندہ ہے وہ دہشت گرد نہیں ہے۔ اس دہشت گرد سیکولر نظام کی سفاکی کس درجے کی ہے' وہ پڑھیے!

سیکولرازم کے اخلاقی سرطان کی تفصیل مائیکل سانڈل کی کتاب میں دیکھیے!

جدید سیکولر انسان کے اس جدید مقصد حیات قرضوں کے ذریعے ترقی اور قرضوں کے ذریعے معیار زندگی میں مستقل و مسلسل اضافہ نے امریکی سیکولر معاشرے میں اقدار' روایات' اخلاقیات کا کیا بحران پیدا کیا ہے؟ اس کی تفصیل ممتاز فلسفی مائیکل جے سانڈل کی کتاب The Moral Limits of Market:What money Can't buy میں پڑھی جا سکتی ہے۔ سانڈل نے سیکولر امریکی معاشرے میں انسانی رشتوں اور تعلقات کی تباہی و بربادی کی داستان ایسے دل خراش لہجے میں بیان کی ہے کہ جسے پڑھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے اور قاری وحشت زدہ ہو جاتا ہے' لیکن اتنا بڑا فلسفی جدیدیت کے عقیدوں' آزادی' مساوات' ترقی اور جدیدیت کے پیدا کردہ نظام جمہوریت سرمایہ داری پر تنقید کرنے کے باوجود اس کا حل صرف یہ پیش کرتا ہے کہ انسان صرف اپنی ذاتی زندگی میں مارکیٹ کے اصول اور قواعد وضوابط کا انکار کرے' صرف اپنے کاروبار معاش کے لیے مارکیٹ کے اصول competition / progress / freedom استعمال کرے' یعنی انسان معاش (economy) کی سطح پر مارکیٹ کی اقدار کے تحت چلے' لیکن اس کی معاشرت (society) مارکیٹ کی اقدار (market values) کو قبول نہ کرے۔

ظاہر ہے یہ انسان کو دولخت کرنے کا عمل ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص جو صبح سے رات تک مارکیٹ‘ سوسائٹی کے مسابقت‘ آزادی‘ ترقی کے فلسفوں کے تحت ایک خبیث انسان کے طور پر کام کرے اور رات کو جیسے ہی اپنے گھر لوٹے تو ایک نہایت شریف ترین انسان بن جائے اور اپنی ذاتی خاندانی زندگی پر مارکیٹ کے اصولوں کا ہرگز اطلاق نہ کرے‘ اپنی معاشرت کو وہ مارکیٹ سے الگ کرلے۔ اسی لیے روایتی تہذیبوں میں انسان کی ذاتی اور عوامی زندگی (private & Public life) ایک ہی ہوتی تھی‘ اس کی شخصیت کا ظاہر و باطن ایک ہوتا تھا۔ وہ جو کچھ اپنی اجتماعی زندگی میں ہوتا تھا ویسا ہی نجی زندگی میں ہوتا تھا‘ اس میں دورخا پن‘ دولخت پن (duality) نہیں ہوتا تھا‘ لہٰذا وہ ایک پُرسکون معاشرہ تھا‘ جہاں لوگوں کو نفسِ مطمئنہ حاصل تھا۔

سانڈل نے اپنی کتاب میں سیکولرازم کی معاشی و مادی بربریت کے حوالے سے امریکی سپریم کورٹ کے بارے میں بھی ایک اہم بات لکھی ہے‘ وہ لکھتا ہے کہ سپریم کورٹ میں کسی تاریخی مقدمے کی سماعت کے موقع پر کورٹ روم میں اب عام آدمی داخل ہی نہیں ہوسکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امریکا میں ایسی کمپنیاں کھل گئی ہیں جو ایسے پبلک مقامات میں بھاری مشاہرے پر افرادی قوت مہیا کرتی ہیں جہاں مفت میں داخلہ ممکن ہے‘ لیکن اس داخلے کی شرط پہلے آیئے پہلے جگہ پایئے کا اصول ہے۔ لہٰذا جب سپریم کورٹ میں کسی اہم مقدمے کی سماعت ہوتی ہے تو تمام بڑے وکلاء اور امراء افرادی قوت مہیا کرنے والے اداروں کو بھاری رقم دے کر ان کا آدمی اپنی جگہ قطار میں کھڑا کردیتے ہیں۔ عدالت کی کاروائی شروع ہونے سے چند منٹ پہلے وکیل اور امیر لوگ اپنی گاڑی سے اترتے ہیں اور اپنی جگہ کھڑے ہوئے آدمی کو ہٹا کر خود کھڑے ہوجاتے ہیں۔ یہ خدمات مہیا کرنے والی کمپنیوں کا دعویٰ ہے کہ ہم تو لوگوں کو روزگار مہیا کررہے ہیں مگر اس روزگار نے عام آدمی کے لیے کورٹ روم تک رسائی کو ناممکن بنادیا ہے۔ سیکولرازم کی پیدا کردہ جدید ریاست میں اب غریب لوگوں کے لیے محرومی کے سوا کچھ نہیں ہے اور اسی کا نام مساوات ہے۔ یہ کیسی مساوات ہے کہ آج دنیا کا کوئی بھی امیر آدمی امریکا سمیت کسی بھی مغربی ملک کی شہریت چند گھنٹوں میں چند لاکھ ڈالر کے عوض خرید سکتا ہے۔

سیکولرازم اور UNO کی سلامتی کونسل میں مساوات نہیں

مائیکل سانڈل کی کتاب Justice پڑھ لیجیے! امیر لوگوں کے لیے ہر سیکولر ملک کی سرحد کھلی ہے‘ جبکہ غریبوں کے لیے ہر سیکولر ملک کی سرحد بند ہے‘ یہ مساوات ہے۔ اگر سب مساوی ہیں تو یہ قومی سرحدیں کیوں قائم ہیں؟ اگر سب مساوی ہیں تو UNO میں صرف پانچ ملکوں کو ویٹو کا حق کیوں حاصل ہے؟ اگر سب مساوی ہیں تو پانچ اراکین میں سے چار اراکین جب ایک مسئلے پر اکٹھے ہوجائیں اور فیصلہ کردیں تو سلامتی کونسل کا ایک رکن ان چار اراکین کے اکثریتی فیصلے کو کیوں ویٹو

کردیتا ہے؟ صرف پانچ کو ویٹو کا حق کیوں‘ دنیا کے ۳۰۰ ممالک اس حق سے کیوں محروم ہیں؟ یہ سیکولر ازم اور اس کی پیدا کردہ مساوات ہے جس کے قصیدے عمار ناصر صاحب اور غامدی صاحب مسلسل پڑھ رہے ہیں۔

سیکولر امریکی اور مغربی معاشروں میں انشورنس پالیسی کے حوالے سے بھی سانڈل نے بعض اہم مباحث اُٹھائے ہیں۔ کسی بوڑھے آدمی کی انشورنس آدھی قیمت پر لوگ خرید لیتے ہیں اور بوڑھا بھی سوچتا ہے کہ میں مرنے والا ہوں تو زندگی میں ہی موت کی انشورنس بیچ کر کچھ مزے کرلوں۔ مختلف کمپنیاں خریداروں کو مشورہ دیتی ہیں کہ فلاں بوڑھا جلد مرنے والا ہے لہٰذا وہ انشورنس پالیسی خرید کر اپنے نام کرلیتے ہیں اور اس کے بدلے میں بوڑھے کو متوقع رقم کی نصف رقم ادا کردیتے ہیں۔ اس کاروبار کو شدید دھچکا اس وقت لگا جب کمپنیوں‘ کنسلٹنٹس کی رپورٹیں اور ڈاکٹروں کے اندازے بوڑھوں کی متوقع موت کے بارے میں بالکل غلط ثابت ہوئے‘ وہ صحت یاب ہونے لگے اور انشورنس خریدنے والے کاروباریوں کا دل ڈوبنے لگا۔ وہ ان بوڑھوں کو فون کرتے تھے اور پوچھتے تھے کہ آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ اس سوال کا مقصد ان کی خیر خواہی نہیں بلکہ ان کی آواز سے ان کی صحت اور گفتگو سے ان کی متوقع موت کا اندازہ لگانا تھا۔

تاریخ انسانی میں کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی فرد نے کسی بوڑھے کو فون کرکے اس کی خیریت صحت عافیت اس لیے دریافت کی ہو تاکہ پتا چلایا جاسکے کہ حضرت والا کب مرنے والے ہیں؟ ایسا ذلیل خبیث انسان سیکولرازم اور کیپٹل ازم نے پیدا کیا ہے۔ سانڈل نے لکھا ہے کہ جب دوسو سال پہلے انشورنس کے ذریعے زندگی اور موت کے کاروبار میں سرمایہ کو شامل کرنے کی کوشش انشورنس کے نام پر ہوئی تو بہت سے امریکی فلسفیوں و مفکرین نے اس غیر انسانی‘ غیر اخلاقی کاروبار کی شدید مخالفت کی۔ ان کو اندیشہ تھا کہ زندگی اور موت میں سرمایہ کاری کا یہ عمل بہت سی اخلاقی برائیاں پیدا کرکے معاشرے کو تباہ و برباد کردے گا۔ وہ کتنے بڑے لوگ تھے‘ ان کی کتنی گہری نظر تھی کہ دوسو سال بعد پیدا ہونے والی برائیوں کو انہوں نے دوسو سال پہلے دیکھ لیا تھا۔ بہت سے متجددین اور مذہبی مفکرین کو انشورنس کے کاروبار میں آج بھی کوئی خاص برائی نظر نہیں آرہی اور وہ اسے عاقلہ کے ادارے کا متبادل قرار دے رہے ہیں‘ حالانکہ عاقلہ کا ادارہ کسی منافع‘ حرص و ہوس‘ امید‘ لالچ‘ سود پر نہیں‘ صرف اور صرف خیر خواہی‘ ایثار‘ محبت‘ اخلاص اور خونی رشتوں کی بنیاد پر قائم تھا۔ یہ ایک فطری تعلق تھا جس کی مثال نہیں ملتی۔ سو سال تک انشورنس کی مخالفت ہوتی رہی‘ لیکن رفتہ رفتہ تمام مغرب نے موت کے کاروبار (انشورنس) کو قبول کرلیا اب اس کا نتیجہ سامنے ہے۔ عمار ناصر صاحب! سیکولر سوسائٹی‘ لبرل سوسائٹی اس قسم کی سوسائٹی ہوتی ہے‘ آپ خواہ مخواہ ’’ماہنامہ الشریعہ‘‘ میں سیکولر معاشرے کے حق میں اداریے لکھ رہے ہیں۔

سیکولر معاشی نظام کس طرح لوٹ مار کرتا ہے

عمار ناصر صاحب سیکولرازم کے قصیدے پڑھتے ہوئے بھول گئے کہ یہ نظام کس طرح لوٹ مار کرتا ہے اور لوگوں کو بے وقوف بنا کر ان سے اربوں کھربوں روپے وصول کرتا ہے۔ کارپوریشنیں انسانیت کے نام پر کتنا منافع کمارہی ہیں اور کتنے لوگوں کو قتل کررہی ہیں، وہ درج ذیل کتابوں کا مطالعہ کرلیں:

(1) *Joel Baka : "The Corporation : The pathological pursuit of Profit & Power"*
(2) *Martinlindstorm: "Brand washed"*

Beauty Myth کی مصنفہ نے لکھا ہے کہ جلد کی تمام کریمیں کچھ نہیں کرتیں صرف اشتہاروں کے ذریعے انہیں بیچا جاتا ہے۔

It is Commerial robbery with profit margins of over 50 percent on a reve nue of 20 billion dollars world wide, in 1988 skin care grossed 3 billion in USA
[P 109, Chapter Religion]

ان تمام دھوکوں کے باوجود جلد کے تیل اور کریموں پر کوئی ملک پابندی نہیں لگاتا کیوں کہ اس سے اربوں ڈالر کے ٹیکس ملتے ہیں۔ پھر جدید دور کا اصل مذہب sex ہے اور اس کے نام پر سیکولرازم عورت کا کس طرح استحصال کررہا ہے، اس کی تاریخ درج ذیل کتابوں میں پڑھی جاسکتی ہے:

(1) *Noami Wolf : The Beauty Myth. How Images of Beauty are used agaist woman*
(2) *Chris Hedges : The Empire of Illusion*

عورت کے ساتھ سیکولر مغرب جو کچھ کررہا ہے ان کتابوں کو پڑھ کر آپ کو اُلٹی ہوجائے گی۔ فیشن اور انٹرٹینمنٹ انڈسٹری آزادی کے عقیدے کے دو جمالیاتی اظہارات ہیں جنہوں نے تمام اخلاقی پیمانے توڑ دیے ہیں۔

چھ مسلمان ملکوں میں سیکولرازم کی دہشت گردی

سیکولرازم نے اسلامی ممالک میں کیا دہشت گردی کی، اس کی خوں ریز، دل دوز اور غم انگیز کہانی Dalia Dassa کی کتاب More Freedom, Less Terror?: Liberalization and Political Violence in the Arab World میں پڑھی جاسکتی ہے۔ مصنفہ بتاتی ہے کہ مشرق وسطیٰ کے چھ ملکوں میں آزادی، جمہوریت سیکولرازم کے نام پر کس درجے کی بہیمیت، درندگی، دہشت گردی سیکولرازم پھیلا چکا ہے، کتاب میں اس راز سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔

عرب دنیا میں تشدد، بہیمیت، خون خرابے کا اصل سبب آزادی اور جمہوریت کا عقیدہ ہی ہے۔ سیکولرازم کا اصل چہرہ جسے کوئی پڑھنے پڑھانے پر تیار نہیں، امید ہے عمار ناصر صاحب اسے پڑھنے کے بعد سیکولرازم کے عقیدے کے قصیدے پڑھنا ترک کردیں گے اور پاکستان میں سیکولر معاشرے کا

خواب دیکھنا اور دکھانا بھی ترک کردیں گے۔ دنیا میں سیکولرازم کا سب سے بڑا علَم بردار امریکا ہے اور امریکی سیکولرازم دنیا کے ساتھ کیا کررہا ہے اور کیا کرچکا ہے؟ اس موضوع پر امریکا میں سینکڑوں کتابیں اور ہزاروں مقالات شائع ہوچکے ہیں۔ اگر عمار ناصر صاحب کو دلچسپی ہو تو سیکولرازم سے متعلق یہ صفحات ان کی خدمت میں پیش کیے جاسکتے ہیں۔

جدید فلسفہ مغرب اور اس کی پیدا کردہ ٹیکنو سائنس اصلاً دہشت گرد ہیں

سیکولرازم کی دہشت گردی، غنڈہ گردی کو بے نقاب کرنے والی چند اور کتابوں کے نام درج ذیل ہیں، امید ہے عمار ناصر صاحب ان کتابوں کے مطالعے کے بعد اس نقطہ نظر سے رجوع کرلیں گے کہ اسلام دہشت گرد ہے اور دنیا میں اس وقت جو دہشت گردی جاری ہے اس کا سبب اسلام ہے۔ ان کتابوں کو پڑھنے کے بعد انہیں معلوم ہوگا کہ مسلمان متشدد گروہ اس وقت دنیا میں جو کچھ کررہے ہیں ان کا تشدد مغرب کی جدیدیت اور سیکولرازم سے اخذ کردہ ہے۔ یہ تشدد مغرب کی دہشت گردی سے کشید کردہ ہے اور یہ تشدد اصلاً مغربی دہشت گردی کا ردعمل ہے اور ردعمل کا کوئی نظریہ نہیں ہوتا (Reaction has no Ideology) لہٰذا جدیدیت کے ردعمل میں اٹھنے والے ان چھوٹے موٹے دہشت گردوں پر اپنی توجہ مرکوز کرنے کے بجائے دہشت گردی کے اصل ماخذات، جدید فلسفہ مغرب، سیکولرازم، لبرل ازم، وغیرہ وغیرہ، جدید ٹیکنو سائنس، سرمایہ دارانہ نظام کے ذریعے حرص وحسد و ہوس کے جذبات کی عمومیت اور آفاقیت، جدید فلسفے سے پیدا ہونے والے جدید انسان کی دہشت گردی کی سوسالہ تاریخ کا مطالعہ کیا جائے:

(1) *Owen Johnson :In the Name of Liberty: A Story of the Terror*
(2) *Z YGMUNT: Bauman Modernity and Ambivalence*
(3) *Bauman : Does ethics have a chance in a world of consumer?*
(4) *Z.Bauman : Sociology after the Holocaust - British Journal of Sociology*
(5) *Z. Buman : Modernity & Holocaust*

سیکولرازم کی دہشت گردی، غنڈہ گردی کو بے نقاب کرنے والی چند اور کتابوں کے نام درج ذیل ہیں، امید ہے کہ عمار ناصر صاحب ان کتابوں سے استفادہ کریں گے: Owen Johnson کی کتاب آزادی اور دہشت گردی کے تعلق کے بارے میں بتاتی ہے۔ Zygmunt Bauman نے جدیدیت، استعماریت، قتل عام، دہشت گردی کے مابین فطری تعلق کی نقشہ کشی کی ہے۔ مصنف کی کتابیں مغرب کے سیکولرازم کا پرتشدد، دہشت گرد چہرہ بے نقاب کرتی ہیں۔ مصنف کی کتاب Modernity and Holocaust جدیدیت، ماڈرن ازم اور اس کے فلسفہ عقلیت پرستی کے ہولناک نتائج کا احاطہ کرتی ہے۔ عمار ناصر صاحب کو یہ بھی معلوم نہیں کہ مغرب میں کیا کچھ لکھا جارہا

ہے۔ Sophie Wahnich کی کتاب

In Defence of the Terror, Liberty or Death in the French Revolution

پڑھ لیں جس کا دیباچہ اس صدی کے بہت بڑے فلسفی Slavoj Zizek نے لکھا ہے۔

عمار ناصر صاحب جس سیکولر معاشرت اور سیکولر معاشرے کو پاکستان میں قائم کرنا چاہتے ہیں اس کے علمیاتی، مابعد الطبیعیاتی پس منظر سے واقف ہی نہیں، سیکولر انسان عبد نہیں ہوتا، وہ بندہ آزاد ہوتا ہے جو کسی کو جواب دہ نہیں۔ کانٹ کا مضمون What is enlightenment پڑھ لیجیے! روشن خیال انسان اصل میں خلق جدید ہے یعنی ایک جدید تصور انسان ہے۔ یہ انسان فاعل مختار مطلق (Self autonomus being) ہے جو حق خود اختیاریت کا حامل انسان یعنی Self Determined ہے جس کے ارادے کا مقصد آزادی اور قوت کا حصول Will to Freedom & Power ہے۔

انسان دنیا میں صرف چار حیثیتوں کا مالک ہے، اس کے سوا اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ مزدور/ کارکن (worker) ہے، یہ صارف (consumer) ہے، یہ رائے دہندہ (voter) ہے، یہ تماش بین (spectator) ہے کیونکہ جدید ریاست، مارکیٹ، میڈیا، پر اسے کوئی اختیار حاصل نہیں، اس کو اپنی نجی زندگی پر بھی اختیار نہیں، سب پر مارکیٹ کا قبضہ ہے، لہٰذا مغرب میں End of Privacy کے عنوان سے کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔ لبرل ازم کی انجیل کے مصنف جان رالز نے جدید سیکولر انسان کے بارے میں لکھا کہ صرف وہی انسان اپنی نظروں میں عزت اور تکریم کے قابل ہے جسے چار بنیادی تصورات خیر (Four Primary Goods) حاصل ہوں، ان کے بغیر کوئی شخص اپنی نظروں میں عزت کے قابل نہیں ہوسکتا: (۱) آمدنی (Income) (۲) دولت (Wealth) (۳) طاقت (Power) (۴) اختیار (Authority) یعنی جدید سیکولر انسان کا پورا سانچہ اور ڈھانچہ، اس کا ظاہر و باطن صرف اور صرف مادی، معاشی، طبعی اور حسیاتی ہے، روحانیت اس کا مسئلہ ہی نہیں ہے۔ اسی لیے جدید انسان کی منزل (۱) لامتناہی علم (۲) لامتناہی دولت (۳) لامتناہی طاقت (Unlimited Knowledge/Capital/Power) ہے۔ جدید ریاست انہی مقاصد کی تنظیم کا نام ہے، لہٰذا جدیدیت میں حقیقت (reality) سے علم (knowledge) برآمد نہیں ہوتا، علم سے حقیقت برآمد ہوتی ہے اور جب انسان حقیقت بن جائے علم خود مقصد حقیقت بن جائے تو وہ تشکیک کو جنم دیتا ہے۔ جدیدیت میں علم کا آغاز یقین سے نہیں شک (doubt) سے ہوتا ہے، لہٰذا علم کی تصحیح ہی اس کی توسیع کا سبب بنتی ہے۔ لامتناہی علم وہی ہے جو مسلسل تصحیح سے ارتقاء پذیر رہے۔ وحی الٰہی سے حاصل کردہ علم میں نہ تشکیک ممکن ہے، نہ توسیع، نہ ارتقاء، لہٰذا یہ علم ہی نہیں ہے، کیونکہ جدید علم وہ ہے جو عقلیت، تجربیت اور ریاضی کے پیمانوں پر پورا اترے، جو علم ان پیمانوں کے مطابق نہیں وہ علم نہیں جہالت ہے اسی لیے ہر سیکولر اور لبرل، مذہب کو جہالت ہی سمجھتا ہے۔ جدیدیت سیکولرازم نے دین کے علم کو علم تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

جدیدیت میں انسان آزادی میں اضافہ کے لیے، لامحدود علم کے لیے اس محدود دنیا میں کوشاں رہتا ہے لہٰذا جدید غالب ڈسکورس میں علم کسی ہدف یا منزل کا نام نہیں بلکہ ایک دوڑ (race) کا نام ہے، علم تحقیق سے ترقی کرتا ہے، تحقیق کا مقصد تحقیق ہی ہے، علم کی کوئی منزل نہیں بس علم کے سفر میں پڑاؤ آتے رہتے ہیں۔ روایتی علمیت میں morality تھی اور memory تھی، جدید علمیت کا ان دونوں روایتوں سے کوئی تعلق نہیں، لہٰذا جدیدیت روایتی تہذیبوں میں حفظ اور حافظے کی روایت کو کباڑ خانے سے تعبیر کرتی ہے۔ روایتی تہذیبوں میں علوم نقلیہ وعقلیہ، علوم عالیہ وآلیہ، علوم فنون کی تقسیم تھی، تمام علوم عقلیہ علوم نقلیہ کے تابع تھے، کوئی دائرہ علم وحی الٰہی اور سنت محبوب الٰہی ﷺ کے دائرہ علمی سے باہر نہیں، سب اس کے تابع اور مقلد تھے۔ سیکولرازم نے علم کی یہ ترتیب ہی الٹ دی، اب کوئی علم وحی الٰہی کے دائرے کو تسلیم نہیں کرتا کیوں کہ کانٹ کے بعد ''العلم'' وہ ہے جو تجربیت اور عقلیت کے ملاپ سے نکلتا ہے اسی لیے کانٹ کے بعد سائنس ہی اصل العلوم ہے۔ ہر علم اپنی عظمت ثابت کرنے کے لیے اپنے ساتھ سائنس کا سابقہ یا لاحقہ لگاتا ہے مثلاً سوشل سائنس، Behavioral Science، لائبریری سائنس وغیرہ وغیرہ۔

اس علم کی عظمت اتنی بڑھ گئی ہے کہ اس کے بغیر وحی سے وابستہ علوم بھی متاثر ہوئے اور اسلامی سائنس اور اسلامی اکنامکس کی اصطلاحات کے ذریعے اسلام کو دور حاضر سے ہم آہنگ کیا گیا، حالانکہ اسلامی تاریخ میں تمام علوم عقلیہ بھی اسلامی علمیت کی کلیت کا حصہ ہوتے ہیں کوئی علم وحی الٰہی اور سنت محبوب الٰہی ﷺ کے دائرے سے باہر نہیں رہ سکتا۔ علم کو پرکھنے کا پیمانہ یہی ماخذات دین ہوتے ہیں لہٰذا معاش وغیرہ سے متعلق امور فقہ معاملات کے تحت زیر بحث آتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا سیکولر ڈسکورس کو عالم اسلام میں بھی قبول کرلیا گیا ہے؟ ظاہر ہے بالکل نہیں۔ ولی رضا نصر نے اپنی کتاب The Shia Revival میں مغرب کو یہی تو پیغام دیا ہے کہ عالم اسلام میں شیعہ مکتب فکر کے سوا کسی مکتب فکر نے جدیدیت کو اپنے اندرونی تقاضوں کے تحت خود فطری طور پر قبول نہیں کیا، صرف ایران نے جدیدیت کو قبول کیا ہے۔

ٹمپا یونیورسٹی امریکا میں ممتاز ماہر معاشیات اور ممتاز اسلامی مفکر جناب پروفیسر خورشید احمد سے ایک تاریخی مکالمے میں، مکالمے میں شریک فقہ اسلامی کی ماہر ایک خاتون نے عجیب سوال پوچھا: خورشید صاحب اسلام تو مطلق، غیر متغیر، نقلی علم ہے اور اکنامکس تو متغیر، غیر مطلق، غیر قطعی عقلی علم ہے تو آپ اسلامی اکنامکس کی اصطلاح کیسے استعمال کرتے ہیں؟ کیا مطلق اور متغیر علوم کو اکٹھا کیا جاسکتا ہے؟ محترم خورشید صاحب نے جو صاحبِ نظر اور صاحبِ فکر ہستی ہیں اس کا کیا جواب دیا وہ ''مکالمہ'' میں پڑھ لیجیے، مکالمے کا اردو ترجمہ بھی دستیاب ہے۔

❁❁❁

Jan 2018
Vol.67

Regd. CPL No.115
No.1

Monthly Meesaq Lahore

رسولِ اکرم ﷺ کی عظمت، آپؐ کے مقصدِ بعثت، اسوۂ رسول ﷺ کے قرآنی تصور، سیرتِ نبوی ﷺ کے مختلف گوشوں، خاص طور پر آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے انقلابی پہلو جیسے علمی و عملی موضوعات پر 9 کتابوں کا مجموعہ

رسولِ اکرم ﷺ اور ہم

از ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ

516 صفحات پر مشتمل فکر انگیز تالیف

اشاعت خاص (مجلد):
امپورٹڈ آفسٹ پیپر، قیمت: 450 روپے

اشاعت عام (پیپر بیک):
امپورٹڈ بک پیپر، قیمت: 300 روپے

خود پڑھیں۔
دوسروں کو تحفہ
میں دیجیں!

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 3-35869501-042

maktaba@tanzeem.org